ماہنامہ

محدث

بنارس

ستمبر ۲۰۲۲ء ◆ صفر ۱۴۴۴ھ

اسلام دین فطرت ہے	۲
ماہ صفر منحوس نہیں	۳
موجودہ حالات اور ہماری ذمہ داریاں	۵
پڑوسیوں سے متعلق اسلامی تعلیمات	۱۸
عصر حاضر میں فارغین مدارس کو درپیش چیلنجز	۳۰

دار التالیف والترجمہ، بنارس، الہند

دینی، علمی، اصلاحی اور تحقیقی ماہنامہ

مجلہ محدث بنارس

صفر ۱۴۴۴ھ
ستمبر ۲۰۲۲ء

جلد: ۳۹
شمارہ: ۳

سرپرست
عبداللہ سعود سلفی

مدیر
محمد ایوب سلفی

معاون مدیر
اسرار احمد ندوی

مجلس مشاورت
مولانا محمد مستقیم سلفی
مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی
مولانا صلاح الدین مقبول مدنی
مولانا محمد یونس مدنی
ڈاکٹر عبدالصبور ابوبکر مدنی

اس شمارہ میں

۱۔ اسلام دین فطرت ہے، اس میں زور زبردستی نہیں	عبداللہ سعود سلفی	۲
۲۔ ماہ صفر منحوس نہیں	ڈاکٹر عبدالحلیم بسم اللہ	۳
۳۔ اپنی بات	مدیر	۵
۴۔ سنن رواتب کے احکام ومسائل	ڈاکٹر عبدالصبور مدنی	۱۱
۵۔ پڑوسیوں سے متعلق اسلامی تعلیمات	مولانا محمد یونس مدنی	۱۸
۶۔ دینداری کا ایسا خمار مرفوض..	عبدالعلیم سلفی	۲۴
۷۔ عصر حاضر میں فارغین مدارس کو درپیش چیلنجز	یاسر اسعد	۳۰
۸۔ خواتین، جدید معاشرہ اور اسلام	زینب رحمانی	۳۵
۹۔ اخبار جامعہ	مولانا دل محمد سلفی	۴۴
۱۰۔ فتاویٰ	ابوعفان نورالہدیٰ سلفی	۴۷

بدل اشتراک سالانہ

ہندوستان:	300	روپے
خصوصی تعاون:	1000	روپے
بیرون ممالک:	50	ڈالر امریکی
فی شمارہ:	30	روپے

مراسلت کا پتہ

اشتراک کے لیے ڈرافٹ مندرجہ ذیل نام سے بنوائیں
Name: **DAR-UT-TALEEF WAT-TARJAMA**
Bank: **INDIAN BANK,** KAMACHHA, VARANASI
A/c No. **21044906358**
IFSC Code: IDIB000V509

Darut Taleef Wat Tarjama, B.18/1-G, Reori Talab, Varanasi - 221010

www.mohaddis.org

نوٹ: ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

درس قرآن

اسلام دین فطرت ہے، اس میں زور زبردستی نہیں

عبداللہ سعود

لاَ إِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَد تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِن بِاللهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىَ لاَ انفِصَامَ لَهَا وَاللهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (بقرہ: ۲۵۶) دین کے معاملہ میں کوئی زور زبردستی نہیں ہے۔ ہدایت ضلالت سے روشن ہو چکی ہے اس لیے جو شخص اللہ کے سوا دوسرے معبودوں کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لائے اس نے مضبوط سہارا تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

اللہ کے پیارے رسول محمد ﷺ نے فرمایا ہے: **کل مولود یولد علی الفطرۃ فأبواہ یھودانہ أو ینصرانہ أو یمجسانہ** (متفق علیہ) ہر پیدا ہونے والے انسان کی پیدائش فطرت پر ہوتی ہے۔ اس کے والدین اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔

انسانی تاریخ میں جب جب بھی دین فطرت سے انحراف ہوا تو اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو انسان کی رہنمائی کے لیے مبعوث فرمایا اور ان کا مذہب بھی دین فطرت ہی تھا۔

سورہ شوریٰ: ۱۳ میں اس کی وضاحت موجود ہے: شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحاً وَالَّذِيْ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيْمَ وَمُوسَى وَعِيْسَى أَنْ أَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيْهِ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ اللَّهُ يَجْتَبِيْ إِلَيْهِ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِيْ إِلَيْهِ مَن يُنِيْبُ تمہارے لیے وہی دین مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے نوح کو دیا تھا اور جسے (اے محمد ﷺ) اب تمہاری طرف ہم نے وحی کے ذریعہ سے بھیجا ہے اور جس کی ہدایت ہم ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو دے چکے ہیں۔ اس تاکید کے ساتھ کہ قائم کرو اس دین کو اور اس میں متفرق نہ ہونا۔ یہی بات ان مشرکوں کو سخت ناگوار ہوئی ہے جس کی (اے محمد ﷺ) تم انہیں دعوت دے رہے ہو۔ اللہ جسے چاہتا ہے اپنا کر لیتا ہے اور وہ اپنی طرف آنے کا راستہ اسی کو دکھاتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرے۔

سورۂ آل عمران: ۱۹ میں فرمایا: إِنَّ الدِّيْنَ عِندَ اللهِ الإِسْلاَمُ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ أُوْتُواْ الْكِتَابَ إِلاَّ مِن بَعْدِ مَا جَاءهُمُ الْعِلْمُ بَغْيَاً بَيْنَهُمْ اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔ اس دین سے ہٹ کر جو مختلف طریقے ان لوگوں نے اختیار کیے جنہیں کتاب دی گئی تھی۔ ان کے اس طرز عمل کی وجہ صرف یہ تھی کہ انہوں نے علم آ جانے کے بعد آپس میں ایک دوسرے پر زیادتی کرنے کے لیے ایسا کیا۔

سورۂ روم: ۳۰ میں اللہ نے حکم دیا: فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفاً فِطْرَةَ اللهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللهِ ذَلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ (بقیہ صفحہ ۲۹ پر)

درس حدیث

ماہ صفر منحوس نہیں

ڈاکٹر عبدالحلیم بسم اللہ

ماہ صفر ہجری سال کا دوسرا مہینہ ہے جو کہ محرم الحرام کے بعد آتا ہے۔ صفر کو صفر کیوں کہا جاتا ہے اس بارے میں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ چونکہ اس ماہ میں لوگ بکثرت سفر کرتے تھے اور مکہ مکرمہ میں لوگوں کی تعداد صفر رہ جاتی تھی اور بعض کا خیال ہے کہ اس ماہ میں لوگ بکثرت لوٹ مار کرتے تھے اور لوگوں کے گھروں میں مال صفر رہ جاتا تھا لہٰذا اس ماہ کو ''صفر'' کہا جاتا ہے۔

(دیکھیں: لسان العرب: ۲/ ۴۶۲۔ ۴۶۳)

عہد جاہلیت میں لوگ ماہ صفر میں دو عظیم منکرات کا ارتکاب کرتے تھے۔ ایک یہ کہ وہ حرمت والے چاروں مہینوں (ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم، رجب) کو مقدم و موخر کر لیا کرتے تھے، چونکہ محرم حرمت والے مہینوں میں سے ہے لہٰذا حسب حاجت وضرورت اس کو موخر کر کے صفر کو حرام کر لیتے تھے اور محرم کو حلال کر لیتے تھے اور اس میں لڑائی جھگڑا، قتل وغارت گری کیا کرتے تھے۔ جس کی صراحت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس حدیث میں کی ہے:

عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: كانوا يرون أن العمرة في أشهرالحج من أفجر الفجور في الأرض، ويجعلون المحرم صفرا ويقولون: إذا برأ الدبر، وعفا الأثر، وانسلخ صفر، حلت العمرة لمن اعتمر۔ (صحیح بخاری: ۱۴۸۹، صحیح مسلم: ۱۲۴)

جاہلی لوگوں کا اعتقاد تھا کہ حج کے مہینوں میں (شوال، ذوالقعدہ، ذوالحجہ) عمرہ کرنا روئے زمین پر سب سے بڑا گناہ ہے اور وہ محرم کو صفر بنا لیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ جب حج میں جانے والی سواریوں کے زخم مندمل ہو جائیں اور ان زخموں کا اثر مٹ جائے اور صفر کا مہینہ ختم ہو جائے تو اس شخص کے لیے عمرہ حلال ہو جائے گا جو عمرہ کرنا چاہے۔

اور دوسرا گناہ ماہ صفر کو منحوس سمجھنا اور اس سے بدشگونی لینا ہے، جس کا تذکرہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مذکور ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ: لا عدوى ولا طيرة ولا هامة ولا صفر۔ (صحیح بخاری: ۵۳۸۷، صحیح مسلم: ۲۲۲۰)

اہل جاہلیت کی بدعقیدگی سے متعلق نبی ﷺ نے صحابہ کرام کو یہ تعلیم دی کہ کوئی بیماری خود سے متعدی نہیں ہوتی اور نہ ہی بدشگونی کی کوئی حقیقت ہے اور نہ ہی مردوں پر الّو بولتے ہیں اور نہ ہی ماہ صفر میں کوئی نحوست ہے۔

مذکورہ بالا حدیث میں ''ولا صفر'' کے ذریعہ نبی ﷺ نے اپنی امت کو یہ تعلیم دی کہ کوئی مہینہ نحوست والا نہیں ہوتا۔ دیگر مہینوں کی طرح ماہ صفر بھی ایک مہینہ ہے، اس میں اچھائیاں برائیاں دیگر ماہ ہی کی طرح ہوتی ہیں۔ ماہ صفر کا اچھائی و برائی سے کوئی سروکار نہیں، لیکن افسوس صد افسوس

کہ نبی ﷺ کی اس قدر واضح تعلیمات کے باوجود بہت سارے مسلمان مرد وخواتین ہمارے معاشرے اور سماج میں اس ماہ سے متعلق بدعقیدگی کے شکار ہیں، وہ اس مہینے سے بدشگونی لیتے ہیں، اسے منحوس سمجھتے ہیں، اس میں کسی کام کی شروعات اور شادی بیاہ کرنے سے گریز کرتے ہیں، اس ماہ کو آفتوں اور مصیبتوں کا مہینہ سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ سب من گھڑت وجھوٹی باتیں ہیں، ان کی کتاب وسنت اور اقوال صحابہ وتابعین میں کوئی اصل نہیں۔ کسی چیز یا کسی وقت یا کسی مہینے سے بدشگونی لینا شرک ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: **الطيرة شرک** (ابوداود: ۳۹۱۰، وصححہ الالبانی)

اس کے مقابلے میں بعض لوگ ماہ صفر کو خیر وبرکت کا مہینہ سمجھتے ہیں اور ''صفر خیر'' یا ''صفر المظفر'' کہتے ہیں اور باقاعدہ اپنی تحریروں میں یا کیلنڈروں میں ''صفر المظفر'' لکھتے ہیں جو کہ سراسر غلط ہے۔ ''مظفر'' یا ''خیر'' لکھنے کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں ہے۔ شاید منحوسیت کی بدعقیدگی کو دور کرنے یا اسے ختم کرنے کے لیے ایسا کہا یا لکھا جاتا ہے، تو یہ بھی صحیح نہیں ہے۔ جس طرح نحوست کی کوئی دلیل نہیں ہے اسی طرح خیر وبابرکت ہونے کی کوئی دلیل نہیں، لہٰذا ہمیں ''صفر خیر'' یا ''صفر مظفر'' لکھنے سے گریز کرنا چاہیے اور دیگر مہینوں کی طرح صفر کو صرف ''صفر'' لکھنے پر اکتفا کرنا چاہیے۔ کسی چیز کے بابرکت ہونے کے لیے کتاب وسنت سے دلیل ہونی چاہیے جیسے ماہ رمضان بابرکت مہینہ ہے، لیلۃ القدر بابرکت رات ہے، جمعہ کا دن مبارک دن ہے، ذوالحجہ کے ابتدائی دس ایام بابرکت ایام ہیں وغیرہ۔ کیونکہ ان سب چیزوں کے بابرکت ہونے کی دلیل کتاب وسنت سے ثابت ہے۔

اسی طرح لوگ زمانے کو گالیاں دیتے ہیں، اسے برا بھلا کہتے ہیں اور برائیوں کی نسبت اس کی طرف کرتے ہیں، جو کہ شرعی نقطۂ نظر سے بالکل غلط ہے۔

حدیث قدسی میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ابن آدم کو خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے: **يؤذيني ابن آدم يسب الدهر وأنا الدهر بيدي الأمر أقلب الليل والنهار۔** (متفق علیہ) ابن آدم مجھے تکلیف دیتا ہے، وہ اس طور سے کہ وہ زمانے کو گالیاں دیتا ہے حالانکہ میں ہی زمانہ ہوں میرے ہاتھ میں تمام امور ہیں میں ہی رات ودن کو پھیرتا ہوں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زمانہ یا وقت برا نہیں ہوتا بلکہ انسان برا ہوتا ہے، وہی برے اعمال کرتا ہے اور اپنی غلطیوں کو دوسروں پر ڈالتا ہے۔ لہٰذا ہمیں ہر قسم کی بدعقیدگیوں سے بچنا چاہیے اور ہمارا یہ عقیدہ ہونا چاہیے کہ خیر وشر کا مالک اللہ رب ذوالجلال ہے، وہی سب کا خالق ورازق ہے۔ پوری دنیا اس کی مٹھی میں ہے، وہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔ تمام مخلوقات اسی کے حکم کے تابع ہیں۔ توکل واعتماد صرف اللہ وحدہ لا شریک پر ہونا چاہیے اور صرف اسی کی عبادت کرنی چاہیے۔ شرک وکفر سے دور رہنا چاہیے۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ رب العالمین ہمیں ہر قسم کے شرکیہ اقوال واعمال اور بدعقیدگیوں سے محفوظ رکھے۔ آمین

■■

اپنی بات

موجودہ حالات اور ہماری ذمہ داریاں

مدیر

ہمارا ملک ہندوستان ایک جمہوری ملک ہے۔ یہاں ہر مذہب کے لوگوں کو اپنے مذہب پر عمل کرنے، اپنے مذہب کے مطابق زندگی گزارنے اور اپنے مذہبی عبادات واعمال ورسوم کو اپنے مذہب اور طریقے کے مطابق ادا کرنے کی آزادی دی گئی ہے۔ ہمارے ملک کا آئین یہاں ہمیں نہایت ہی اطمینان وسکون کے ساتھ فرائض اسلام کو انجام دینے کی آزادی دیتا ہے۔ یہ ایک پرامن ملک ہے، یہاں ہماری جان ومال، عزت وآبرو کافی حد تک محفوظ ہے، یہاں مسلمانوں کے تعلیمی وتربیتی ادارے، دینی مدارس وجامعات اپنے فرائض انجام دینے میں بلارکاوٹ مشغول ہیں۔ یہاں ہم اپنے بچوں کو دینی تعلیم وتربیت سے آراستہ کررہے ہیں، مسلم بچوں کو ملک کی سرکاری تعلیمی اداروں میں بھی تعلیم حاصل کرنے کی آزادی ہے۔ سرکاری اداروں میں جس طرح دیگر مذاہب کے لوگ سرکاری نوکریاں کررہے ہیں ہم مسلمانوں کو بھی ان نوکریوں میں حصہ دیا جاتا ہے۔ یہاں ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی اور دیگر مذاہب کے لوگ آپسی اتحاد واتفاق کے ساتھ رہتے ہیں۔ متحدہ طور پر تمام مذاہب کے لوگوں نے اس ملک کو انگریزوں سے آزاد کرایا تھا، یہی وجہ ہے کہ اس ملک کے آئین میں تمام مذاہب کے لوگوں کی رعایت کی گئی ہے، لیکن افسوس کہ ادھر چند سالوں سے ہمارے ملک کے حالات بگڑ رہے ہیں۔ ہندو مسلم اتحاد میں دڑاریں پڑ رہی ہیں، ان کی آپسی بھائی چارے ومحبت کی فضا بگڑتی نظر آرہی ہے بطور خاص مسلمانوں کی پریشانیاں بڑھ رہی ہیں، کچھ غلط عناصر کی غلط سوچ وفکر کی وجہ سے ہندوستان کا ماحول مسموم ہورہا ہے۔ ایسے حالات میں ہم مسلمانوں کی ذمہ داری کیا ہونی چاہئے، ایسے موقعے پر اسلام ہمیں کیا رہنمائی کرتا ہے، یہاں رہتے ہوئے ہم اپنے ملکی ومعاشرتی امن وسکون کو کیسے برقرار رکھ سکتے ہیں، یہاں تعایش سلمی کی فضا کیسے قائم رہ سکتی ہے۔

ذیل میں ہم انہی اہم سوالوں کا جواب اسلامی تعلیمات کی روشنی میں جاننے کی کوشش کریں گے۔

اس بات پر ہم پختہ یقین رکھتے ہیں کہ ہم اللہ رب العالمین کے بندے ہیں۔ اللہ ہمارا خالق ومالک، رازق ومدبر ہے۔ ہمارے تمام امور اللہ کی مشیئت ومرضی سے انجام پاتے ہیں۔ ہم اللہ کے حکم پر چلنے والے لوگ ہیں، اللہ کی عبادت وبندگی ہمارے اوپر فرض ہے۔ ہمارا یہ عقیدہ ہر حال میں ہمیں بے خوف بناتا ہے۔ اللہ کے علاوہ ہمارے دلوں میں کسی کا خوف نہیں ہے۔ موت وحیات، نفع ونقصان، بیماری وصحت، خوشحالی وبدحالی سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے۔ ہمیں اپنے عقیدے میں اور زیادہ پختگی لانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ ہم ہر حال میں اپنے آپ کو اللہ رب العالمین کی بندگی میں مشغول رکھیں۔ ہماری تخلیق کا مقصد ہی اللہ کی عبادت وبندگی ہے۔

ارشاد ربانی ہے: ''وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ''(الذاریات: ۵۶) میں نے جنات اور انسانوں کو محض اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔

اس آیت کریمہ کے اندر انسانوں اور جنوں کو اس مقصد زندگی کی یاددہانی کرائی گئی ہے جس کے لیے ان کی تخلیق عمل میں آئی ہے لہٰذا ایک مسلمان کی اولین ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے رب کو پہچانے اور کسی بھی حال میں اس کی عبادت سے غافل نہ رہے۔عبادت اللہ کو راضی اور خوش کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔عبادت کر کے بندہ اپنے رب کے قریب ہوتا ہے اور اس کی نعمتوں اور رحمتوں کا مستحق بن جاتا ہے۔عبادت ہر قسم کے اعمال صالحہ کرنے، فرائض اور سنن ونوافل کے امتثال اور نواہی وفواحش ومنکرات سے اجتناب کا نام ہے۔اللہ کے بندے اگر اعمال صالحہ کریں اور اللہ کی عبادت میں اپنے آپ کو مشغول رکھیں تو اللہ ان کو دنیا میں پاکیزہ اور پرامن زندگی عطا کرتا ہے اور آخرت میں بھی انھیں بھرپور اجر سے نوازے گا۔

ارشاد ربانی ہے:''مَنْ عَمِلَ صَالِحاً مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ مَا كَانُواْ يَعْمَلُونَ'' (النحل: ۹۷) جو شخص نیک عمل کرے مرد ہو یا عورت اور وہ ایمان والا ہو تو ہم اسے یقیناً حیات طیبہ عطا فرمائیں گے اور اس کے نیک اعمال کا بہترین بدلہ بھی اسے ضرور دیں گے۔

پاکیزہ زندگی سے مراد دنیا کی زندگی ہے۔اس مفہوم کو اللہ تعالیٰ نے ایک اور آیت کریمہ کے اندر نہایت ہی واضح انداز میں بیان فرمایا ہے۔

ارشاد ہے:''وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْناً'' (النور: ۵۵) تم میں سے ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں اور نیک اعمال کیے ہیں اللہ تعالیٰ وعدہ فرما چکا ہے کہ انہیں ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسے کہ ان لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا جو ان سے پہلے تھے اور یقیناً ان کے لیے ان کے اس دین کو مضبوطی کے ساتھ محکم بنا کر جما دے گا جسے ان کے لیے وہ پسند فرما چکا ہے۔

مذکورہ دونوں آیتوں کا مستفاد یہ ہے کہ حالات چاہے جتنا بھی پرخطر، پرخوف اور نامساعد وناموافق ہوں ایمان اور اعمال صالحہ کے ذریعہ ہم اللہ کی مدد حاصل کر سکتے ہیں، اللہ کے وعدے کا ہم اپنے آپ کو مستحق بنا سکتے ہیں اور ہماری دنیوی زندگی امن وسلامتی اور اطمینان وسکون والی زندگی بن سکتی ہے۔حتی المقدور ہم اپنی شریعت کی پابندی کریں، ہمارے اندر ثبات قدمی ہو، استقامت کی راہ اپنائیں، ہمارا رشتہ اللہ رب العالمین سے مضبوط ہو، ہم دعا ومناجات، رجوع وانابت الی اللہ سے اللہ کی مدد حاصل کریں، مشکل حالات، ناپسندیدہ واقعات وحادثات کا مقابلہ صبر واستقامت سے کریں۔اللہ رب العالمین کا یہ ارشاد ہمیشہ ہماری نظر کے سامنے ہو:

''وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُواْ إِنَّا لِلّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعونَ أُولَئِكَ عَلَيْهِمْ

صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ'' (البقرۃ:۱۵۶، ۱۵۷) اوران صبر کرنے والوں کوخوشخبری دے دیجیے جنہیں جب بھی کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم تو خود اللہ کی ملکیت ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ان پر ان کے رب کی نوازشیں اور رحمتیں ہیں اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

یہ الٰہی وعدہ ہے ہم مسلمانوں کے لیے اس سے زیادہ تسلی، راحت واطمینان اور سکون والی چیز کیا ہوسکتی ہے؟

ہمارے ملک میں ہمارے ساتھ کئی ادیان ومذاہب کے ماننے والے لوگ رہتے ہیں، وہ اسلام کے بارے میں زیادہ نہیں جانتے، وہ اسلامی تعلیمات کو مسلمانوں کے اعمال کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور مسلمانوں کے اعمال وحرکات سے اسلام کی غلط تصویر عام ہورہی ہے اور اسلام اور مسلمانوں سے متعلق بدظنی پھیل رہی ہے۔اسی بدظنی کے نتیجے میں وہ اسلام اور مسلمانوں کو برا بھلا کہتے ہیں، ان کی طرف سے تکلیف دہ باتیں سننے کو ملتی ہیں جس کی وجہ سے ہم مسلمان دلی اضطراب، ذہنی پریشانی اور قلق کے شکار ہوجاتے ہیں۔کبھی تو بہت زیادہ عدم تحفظ کا احساس ہونے لگتا ہے۔ایسے حالات میں ہماری بڑی ذمہ داری ہے کہ ہم اپنے برادران وطن کو صحیح اور اصلی اسلام سے متعارف کرائیں، ان کو اسلام کی حقانیت اور جامعیت سے روشناس کرائیں۔اسلام کے تئیں جو غلط فہمیاں عام ہورہی ہیں کافی حد تک اس کے ذمہ دار ہم مسلمان ہیں، ہر آدمی اپنے اپنے طور پر اسلام پیش کرتا ہے، کتاب وسنت سے ہٹ کر اپنی رائے کو اسلام قرار دیا جاتا ہے۔اس عمل کا برا نتیجہ عموماً تمام مسلمانوں کو بھگتنا پڑتا ہے۔ضروری ہے کہ ہم اپنی دعوتی ذمہ داریوں کو نہایت ہی حکمت اور دانائی کے ساتھ انجام دیں اور الٰہی ہدایت کو پیش نظر رکھیں۔

ارشاد ربانی ہے: ''ادْعُ إِلِى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ'' (النحل:۱۲۵) اپنے رب کی راہ کی طرف لوگوں کو حکمت اور بہترین نصیحت کے ساتھ بلائیے اور ان سے بہتر طریقے سے گفتگو کیجیے۔

اس آیت کریمہ میں حکمت سے مراد قرآن وحدیث ہیں کیونکہ یہی اللہ کی نازل کردہ باتیں ہیں، ان سے پر حکمت کوئی اور بات نہیں ہوسکتی۔اگر مسلمان کتاب وسنت کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوں تو ہندوستان کا ماحول بدل سکتا ہے اور مسلمان بلکہ ہندوستان کا ہر شہری اطمینان وسکون کی زندگی گزار سکتا ہے۔

اسلام علم ومعرفت کا دین ہے۔اس دین میں علم کی بہت زیادہ اہمیت وفضیلت وارد ہے۔اس دین کی ابتدا ہی ''اقرأ'' سے ہوئی ہے۔اسلام نے حصول علم پر بہت زیادہ ابھارا ہے۔قرآن کے اندر متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ نے علم کی اہمیت کو واضح فرمایا ہے۔

ارشاد ہے: ''يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ'' (المجادلۃ:۱۱) اللہ تعالیٰ تم میں سے اہل ایمان کو اور ان لوگوں کو جن کو علم سے نوازا ہے درجات میں بلندی عطا فرماتا ہے۔

ارشاد ربانی ہے: ''قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ'' (الزمر:۹) اے نبی ﷺ آپ کہہ دیجیے کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔

طلب علم ایک اسلامی فریضہ ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کی حدیثوں میں بھی علم کی بہت زیادہ فضیلت وارد ہے۔

ارشاد نبوی ہے: ''**طلب العلم فريضة على كل مسلم**'' (ابن ماجہ: ۲۲۴، وصححہ الالبانی) علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

علم وعلما کی فضیلت میں کتب احادیث کے اندر بہت ساری حدیثیں وارد ہیں، یہاں ان حدیثوں کا احاطہ مقصود نہیں ہے۔ علم سے مراد شرعی علوم وفنون کے علاوہ ہر قسم کے ضروری علوم بھی ہیں جن کے بغیر ہم دنیا کے اندر باعزت زندگی نہیں گزار سکتے، ایک بہتر قوم نہیں بن سکتے اور ہماری ضروریات پوری نہیں ہو سکتیں۔

ایک عربی کتاب ''**الإسلام وأثره في الثقافة العالمية**'' کے مصنف محمود الشرقاوی رقم طراز ہیں:

''یہاں علم سے مراد صرف حرام وحلال یعنی احکام شرعیہ کا علم نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد ان تمام چیزوں سے واقفیت ہے جن کے ذریعہ انسان اپنے ان فرائض اور ذمہ داریوں کو کما حقہ پورا کر سکے جن کے لیے اسے زمین پر خلیفہ بنایا گیا ہے یعنی زمین کی تعمیر، اس کے خزانوں کی دریافت اور اس میں چھپے ہوئے اسرار ورموز کا انکشاف۔ اس میں وہ علم بھی شامل ہے جو نباتات اور پیڑ پودوں کی ترقی اور نشوونما میں مددگار ہو اس زمین کی بہتر پیداوار نیز اس کی زرخیزی میں معاونت کرے۔ قرآن اس علم کی طرف بھی دعوت دیتا ہے جس کے ذریعہ حیوانات اور جانوروں کی بہتری ہو سکے، انہیں انسان کی خدمت کے لیے مسخر کیا جا سکے۔ اس میں اس علم کا حصول بھی ضروری ہے جس کے ذریعہ جائز طریقوں سے کسب معاش اور دولت کا حصول ممکن ہو۔ اس علم کی تحصیل بھی شامل ہے جس کے ذریعہ انسان مختلف امراض اور بیماریوں سے نجات پا سکے۔ الغرض وہ تمام علوم جو انسانیت کے لیے مفید اور نفع بخش ثابت ہوں اس علم میں داخل ہیں۔

(ملخص ومترجم از کتاب ''**الإسلام وأثره في الثقافة العالمية**'' ص: ۱۳)

آپ ﷺ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ہر میدان میں آگے بڑھنے اور ترقی کی ہر جائز راہ اپنانے کی ترغیب دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام، تابعین عظام، اتباع تابعین اور ائمہ دین نے سائنس، ٹیکنالوجی، طب، کیمیا، غرضیکہ ہر قسم کے مفید علوم وفنون میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں کہ آج بھی دنیا ان کے علوم وفنون اور ان کی خدمات عالیہ سے مستفید ہو رہی ہے۔ افسوس کہ اس وقت دنیا میں مسلمان مفید علوم وفنون کے میدان میں کافی پیچھے چلے گئے، ہم ہندوستانی مسلمان بھی برادران وطن کے مقابلے میں علمی میدان کے اندر کافی پیچھے ہیں۔ اس وقت وہ ہر میدان میں ہم سے آگے ہیں، اس وقت برملا ہم کہہ سکتے ہیں کہ جس مذہب میں حصول علم کی سب سے زیادہ ترغیب ہے آج اس مذہب کے ماننے والے علمی تخلف کا شکار ہو چکے ہیں۔ حصول علم کی رغبت ان کے اندر سے ختم ہو چکی ہے۔ شاید انہی حالات کے پیش نظر علامہ اقبال رحمہ اللہ نے کہا تھا:

حیرت ہے کہ تعلیم وترقی میں ہے پیچھے جس قوم کا آغاز ہی 'اقرأ' سے ہوا تھا

ہم ہندوستانی مسلمانوں کی بڑی ذمہ داری ہے کہ ہم ایک مہذب، متمدن اور متدین قوم بنیں، اپنے آپ کو، اپنے بچوں اور بچیوں کو زیور علم سے آراستہ کریں، عقائد واعمال واحکام کے علم کے ساتھ مروجہ علوم مفیدہ کا میدان بھی اپنائیں۔ یہ دور مقابلہ کا دور ہے، جس ملک میں کئی ادیان ومذاہب کے لوگ رہتے ہوں، اس ملک میں وہی قوم اپنا وجود تسلیم کرا سکتی اور آگے بڑھ سکتی ہے جو اپنے مقابل دوسری قوموں سے زیادہ مہذب، زیادہ باادب اور زیادہ باعلم ہو۔

قوموں کے عروج وزوال میں معاشی حالات اور اقتصادیات کا بھی بڑا عمل دخل رہا ہے۔ مال ودولت کو اللہ تعالیٰ نے قوام حیات قرار دیا ہے۔

ارشاد باری ہے: ''وَلاَ تُؤْتُواْ السُّفَهَاء أَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللهُ لَكُمْ قِيَاماً'' (النساء: ۵) کم عقل لوگوں کو اپنا مال مت دو جس کو اللہ تعالیٰ نے تمہاری گزران کے قائم رکھنے کا ذریعہ بنایا ہے۔

مال حاصل کرنے کی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ترغیب دی ہے۔ ارشاد باری ہے: ''فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانتَشِرُوا فِيْ الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ'' (الجمعہ: ۱۰) پھر جب نماز ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔

اس فضل الٰہی سے مراد کاروبار دنیا اور تجارت ہے۔ ظاہر ہے اسلام اپنے ماننے والوں کو صرف عبادت وریاضت ہی تک محدود نہیں رکھنا چاہتا ہے بلکہ عبادت سے فراغت کے بعد انسانوں کو کاروبار کرنے، تجارت وزراعت اور صنعت وحرفت میں مشغول رہ کر اپنی معیشت اور اقتصادی حالت کو درست اور مضبوط کرنے کی بھی تلقین کرتا ہے تاکہ وہ دنیا میں باعزت قوم بن سکیں اور وہ کسی کے محتاج نہ ہوں اور دنیا میں اللہ کے بندوں کے لیے مفید ثابت ہو سکیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے تاجروں کی فضیلت بیان فرما کر عمل تجارت اپنانے کی ترغیب دی ہے۔

ارشاد نبوی ہے: ''التاجر الأمين الصدوق المسلم مع الشهداء يوم القيامة'' (صحیح الترغیب والترھیب: ۱۷۸۳، وقال الشیخ الالبانی: حسن صحیح) امانتدار، سچا اور مسلمان تاجر قیامت کے دن شہداء کے ساتھ ہوگا۔

تجارت، معیشت اور اقتصادیات کے اندر استحکام پیدا کرنے کا سب سے بہتر ذریعہ ہے لہٰذا مسلمانوں کی بڑی ذمہ داری ہے کہ وہ اس پیشے سے زیادہ سے زیادہ جڑیں، تجارت کے لیے مفید علوم سے بھی آراستہ ہوں تاکہ ان کی معاشی حالت مضبوط ومستحکم ہو سکے اور وہ اپنے ملک میں سر اٹھا کر چل سکیں اور ملک کی تعمیر وترقی میں بھرپور حصہ لے سکیں۔

ہمارے ملک میں ہمارے ساتھ مختلف مذاہب وادیان کے ماننے والے لوگ رہتے ہیں۔ لوگوں کے افکار ونظریات الگ الگ ہیں۔ رہن سہن کے انداز اور تہذیبیں الگ ہیں جس کی وجہ سے آپس میں اختلاف پیدا ہونا فطری امر ہے۔ آج ہم اپنے ملک میں یہی چیز دیکھ رہے ہیں، اختلاف اتنا بڑھا ہوا ہے کہ ملک کے حالات بالکل ٹھیک نہیں ہیں۔ پورے ملک میں

فرقہ واریت کا رنگ چڑھا ہوا ہے۔ مذہبی تعصب عروج پر ہے۔ بہت ساری اذیت ناک باتیں سامنے آرہی ہیں۔ بعض عناصر کی طرف سے ہماری عبادات اور مذہبی رسوم کو نشانہ بنایا جارہا ہے۔ پیغمبر اسلام کی شان میں گستاخیوں کے بھی واقعات آئے دن سامنے آرہے ہیں۔ مسلمانوں کی دل آزاری عام سی بات ہے۔ بسا اوقات ہمیں جانی و مالی نقصانات کا بھی سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ ایسے حالات کا مقابلہ ہمیں بہت ہی صبر وسکون سے کرنا ہوگا۔ ایسے حالات کے لیے الٰہی ہدایات قرآن مقدس کے اندر بایں الفاظ وارد ہیں:

''لَتُبْلَوُنَّ فِيْ أَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ أُوتُواْ الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ أَشْرَكُواْ أَذًى كَثِيْراً وَإِن تَصْبِرُواْ وَتَتَّقُواْ فَإِنَّ ذَلِكَ مِنْ عَزْمِ الأُمُورِ'' (آل عمران:۱۸۶) یقیناً تمہارے مالوں اور جانوں سے تمہاری آزمائش کی جائے گی اور یہ بھی یقین ہے کہ تمہیں ان لوگوں کی جو تم سے پہلے کتاب دیے گئے ہیں اور مشرکوں کی بہت ساری دکھ بھری باتیں بھی سننی پڑیں گی اور اگر تم صبر کرلو اور پرہیزگاری اختیار کرلو تو یقیناً یہ بہت بڑا ہمت والا کام ہوگا۔

مذکورہ قرآنی ہدایت ہمارے لیے سب سے بڑی تسلی کا سامان ہے۔ صبر واستقامت اور تقویٰ کے ذریعہ ہم بڑی بڑی کامیابیاں حاصل کرسکتے ہیں اور بڑے بڑے نقصانات سے اپنے آپ کو بچا سکتے ہیں۔ کچھ ناعاقبت اندیش، جاہل اور انجام سے بے خبر مسلمان پرتشدد مظاہرے کرنے لگتے ہیں۔ ہندوستانی آئین کے خلاف اپنی غیر دانشمندانہ حرکتوں اور اعمال کی وجہ سے اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کررہے ہیں۔ اپنے دین ومذہب، اسلامی اقدار وتہذیب حتیٰ کہ مسلمانوں کے وجود کے لیے بھی خطرہ بن رہے ہیں۔ ایسے ہمارے آئین میں ہمیں جو مذہبی آزادی دی گئی ہے ہم اس کی قدر کریں اور آئین کے دائرے سے نکل کر ہم کوئی بھی حرکت نہ کریں۔ آئین ہند کی حفاظت ہماری بڑی ذمہ داری ہے، کسی بھی جرم کی سزا کا مطالبہ ہندوستانی آئین کے مطابق ہی ہونا چاہیے، اسی میں ملک کی سلامتی ہے، ملک کی اور ملک کے آئین کی سلامتی دراصل ہماری سلامتی ہے۔ ہم ہمیشہ ملک کے وفادار بن کر ملک کے اندر امن وسکون کو بحال رکھنے میں حکومت کی مدد کریں، ہمارے ملک میں تمام مذاہب کے لوگ آپسی محبت وہمدردی، بھائی چارہ اور ایک دوسرے کے غمخوار وغمگسار بن کر برسوں سے زندگی گزار رہے ہیں۔ ہمیں اپنی اور اپنے ملک کی اسی پہچان کو ہمیشہ باقی رکھنے کی کوشش کرنا چاہیے، اسلامی تعلیمات، سیرت رسول، دین رحمت، الٰہی پیغام اور مسلم تمدن کا یہی تقاضا ہے۔

اللہ ہر حال میں ہمارا حامی وناصر ہو۔ آمین

■■

سننِ رواتب کے احکام ومسائل

ڈاکٹرعبدالصبورابوبکرمدنی
جامعہ سلفیہ بنارس

تیسری قسط (گزشتہ سے پیوستہ)

جمعہ کی سنتوں کا بیان:

جمعہ کی نماز سے پہلے کوئی سنت مؤکدہ ہے اور نہ ہی اس سے قبل پڑھی جانے والی نفلی نمازوں کی کوئی تعداد متعین ہے۔لہذا انسان جتنا چاہے پڑھ سکتا ہے۔اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ سے قبل آنے والے کے بارے میں ارشادفرمایا:"فَصَلّی مَا كُتِبَ لَه" (۹۵)اس نے اتنی نماز پڑھی جواس کے لئے مقدرتھی۔

اسی لفظ سے استدلال کیا گیا ہے کہ جمعہ سے قبل کوئی سنت مؤکدہ نہیں ہے۔کیونکہ یہ اسلوب عام طور سے مطلق نفلی نمازوں کے لیے استعمال ہوتا ہے(۹۶)۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا:"صحابہ کرام سے منقول ہے کہ جمعہ کے دن وہ جس وقت مسجد میں داخل ہوتے اسی وقت سے جتنا میسر ہوتا نماز پڑھتے رہتے تھے۔کوئی دس رکعات پڑھتا،کوئی بارہ،کوئی آٹھ اور کوئی اس سے کم پڑھتا۔اسی وجہ سے جمہورائمہ اس بات پر متفق ہیں کہ جمعہ سے قبل کوئی ایسی سنت نہیں ہے جس کی تعداد یا وقت متعین ہو کیونکہ ایسا اس وقت ہوگا جب یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول یا فعل سے ثابت ہو اور اس بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی قولی یا فعلی سنت ثابت نہیں ہے۔نیز یہی امام مالک،امام شافعی اوران کے اکثر اصحاب اور امام احمد کا مشہور مذہب ہے"(۹۷)۔

شیخ الحدیث عبیداللہ رحمانی مبارک پوری رحمہ اللہ "فَصَلّی مَا كُتِبَ لَه" کی شرح میں لکھتے ہیں:"اس لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ سے قبل نفلی نماز کے لئے کوئی حد متعین نہیں ہے اور تحیۃ المسجد کے طور پر کم سے کم دو رکعت ہے"(۹۸)۔

ابن الملقن رحمہ اللہ نے کہا:"اس حدیث کے فوائد میں سے ہے کہ جمعہ کے دن امام کے نکلنے سے پہلے نفلی نماز پڑھنا مستحب ہے اور یہ کہ مطلق نفلی نمازوں کے لئے کوئی حد متعین نہیں ہے"(۹۹)۔

امام مالک نے زہری سے اور وہ ثعلبہ بن ابی مالک قرظی سے روایت کرتے ہیں کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں لوگ نماز میں مشغول رہتے یہاں تک عمر رضی اللہ عنہ خطبہ کے لئے نکل آتے اور منبر پر بیٹھ جاتے۔جب وہ منبر پر بیٹھ جاتے اور مؤذن اذان دینے لگتا تو لوگ بیٹھ کر آپس میں باتیں کرنے لگتے اور جیسے ہی مؤذن خاموش ہوتا اور عمر رضی اللہ عنہ خطبہ کے لئے کھڑے ہوتے لوگ خاموش ہوجاتے اور کوئی کسی سے بات نہیں کرتا"(۱۰۰)۔

خلاصہ یہ کہ جمعہ سے قبل کوئی سنت مؤکدہ نہیں ہے لیکن خطبہ سے قبل مسجد میں داخل ہونے والے کو چاہیے کہ

نفلی نماز جتنی رکعت ممکن ہو پڑھے۔

البتہ جمعہ کی نماز کے بعد سنت مؤکدہ ہے۔ علامہ عینی رحمہ اللہ جمعہ کے بعد سنت سے متعلق مختلف حدیثوں کو جمع کرنے کے بعد کہتے ہیں: ''حدیثیں دلالت کرتی ہیں کہ یہ سنت مؤکدہ ہے''(۱۰۱)۔

جمعہ کے بعد سنت مؤکدہ کی تعداد کے بارے میں دو طرح کی حدیثیں وارد ہوئی ہیں ایک سے معلوم ہوتا ہے چار رکعات ہیں اور دوسری سے معلوم ہوتا ہے دو رکعتیں ہیں۔

چنانچہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''إِذَا صَلَّيْتُمْ بَعْدَ الْجُمُعَةِ فَصَلُّوا أَرْبَعًا''(۱۰۲) جب تم جمعہ کی نماز کے بعد سنت پڑھو تو چار رکعت پڑھو اور عمرو الناقد نے اپنی روایت میں اضافہ کیا ہے کہ عبداللہ بن ادریس نے کہا کہ سہیل نے کہا: ''اگر تمہیں جلدی ہو تو دو رکعت مسجد میں پڑھ لو اور دو رکعت جب واپس گھر پہنچو۔''

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کے بعد چار رکعتیں سنت ہیں۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب وہ جمعہ کی نماز سے واپس آتے تو دو رکعت نماز اپنے گھر میں پڑھتے اور فرماتے: ''ایسا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے''(۱۰۳)۔

اور انہیں سے یہ بھی مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر سے قبل دو رکعت پڑھتے اور ظہر کے بعد دو رکعت، اور مغرب کے بعد دو رکعت اور عشا کے بعد دو رکعت اور جمعہ کے بعد مسجد میں نماز نہیں پڑھتے یہاں تک گھر واپس آجاتے تو وہاں دو رکعت پڑھتے تھے(۱۰۴)۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کے بعد کی نفلی نماز دو رکعت ہے۔

مذکورہ احادیث کی بنیاد پر اہل علم کے درمیان اس امر میں اختلاف ہے کہ جمعہ کے بعد کی سنت مؤکدہ کی رکعات کی تعداد کتنی ہے؟ اور انہیں کس جگہ ادا کرنا افضل ہے؟

بعض اہل علم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہا کہ چار رکعات ہیں اور بعض نے ابن عمر کی روایت سے استدلال کرتے ہوئے کہا کہ دو رکعات ہیں جنہیں گھر میں پڑھنا افضل ہے۔

ابن القیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب جمعہ کی نماز پڑھ لیتے تو اپنے گھر میں آکر دو رکعت نفل پڑھتے اور جو مسجد میں پڑھنا چاہتا اسے حکم دیتے کہ وہ چار رکعت پڑھے۔ آگے فرماتے ہیں: میں نے اپنے استاد ابو العباس ابن تیمیہ کو فرماتے ہوئے سنا: اگر کوئی شخص مسجد میں پڑھے تو چار رکعت اور گھر میں پڑھے تو دو رکعت۔ پھر کہتے ہیں: اسی بات پر حدیثیں بھی دلالت کرتی ہیں اور ابو داود نے ابن عمر کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ جب وہ مسجد میں پڑھتے تھے تو چار رکعت اور گھر میں جا کر پڑھتے تو دو رکعتیں پڑھتے تھے''(۱۰۵)۔

دونوں طرح کی حدیثوں کے درمیان تطبیق کی یہ ایک بہترین صورت ہے لیکن امام صنعانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''چار رکعات پڑھنا دو رکعات پڑھنے سے افضل ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا ہے اور اسی پر آپ اکثر عمل کیا کرتے تھے''(۱۰۶)۔

بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ مسجد اور گھر کی قید لگانا اولیٰ نہیں ہے بلکہ یہ امر اختیاری ہے، چاہے چار رکعت پڑھے یا دو رکعت اور چاہے مسجد میں پڑھے یا گھر میں، البتہ چار پڑھنا دو سے افضل ہے کیونکہ آپ نے اس کا حکم دیا ہے اور گھر میں پڑھنا مسجد میں پڑھنے سے افضل ہے کیونکہ یہ نفلی نماز ہے(۱۰۷)۔

حالتِ سفر میں سننِ رواتب کی ادائیگی کا حکم:

حالتِ سفر میں وتر اور فجر کی سنتوں کے علاوہ دیگر سنن رواتب ترک کرنا مسنون ہے، اکثر احناف کا یہی قول ہے اور اسی کو ابن تیمیہ اور ابن القیم رحمہما اللہ نے اختیار کیا ہے اور یہی افضل ہے۔

حج نبوی سے متعلق جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث میں ہے:

"حتى أتى المزدلفةَ، فصلَّى بها المغربَ والعِشاءَ بأذانٍ واحدٍ وإقامتينِ، ولم يُسبِّح بينهما شيئًا" (۱۰۸)

یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مزدلفہ پہنچے تو مغرب وعشاء کی نماز ایک اذان اور دو اقامت کے ساتھ ادا کی اور ان کے درمیان کوئی سنت نہیں پڑھی۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"جمع النبي صلى الله عليه وسلم بين المغرب والعشاء بجمع، كل واحدة منهما بإقامة، ولم يسبح بينهما، وعلى إثر كل واحدة منهما" (۱۰۹)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ میں مغرب وعشاء کے درمیان جمع کیا ہر ایک کو الگ الگ اقامت کے ساتھ، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو ان دونوں کے درمیان کوئی سنت پڑھی اور نہ ہی ان کے بعد۔

حفص بن عاصم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"صحبت ابن عمر في طريق مكة، قال: فصلى لنا الظهر ركعتين، ثم أقبل وأقبلنا معه، حتى جاء رحله، وجلس وجلسنا معه، فحانت منه التفاتة نحو حيث صلى، فرأى ناسا قياما، فقال: ما يصنع هؤلاء؟« قلت: يسبحون، قال: لو كنت مسبحا لأتممت صلاتي، يا ابن أخي إني صحبت رسول الله صلى الله عليه وسلم في السفر، فلم يزد على ركعتين حتى قبضه الله، وصحبت أبا بكر، فلم يزد على ركعتين حتى قبضه الله، وصحبت عمر، فلم يزد على ركعتين حتى قبضه الله، ثم صحبت عثمان، فلم يزد على ركعتين حتى قبضه الله، وقد قال الله: لَقَد كَانَ لَكُم فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسوَةٌ حَسَنَة (۱۱۰)

میں مکہ کے راستے میں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ گیا، انھوں نے ہمیں ظہر کی نماز دو رکعت پڑھائی، پھر وہ اور ہم آگے بڑھے اور اپنی قیام گاہ پر پہنچے اور بیٹھ گئے اور ہم بھی ان کے ساتھ بیٹھ گئے۔ پھر اچانک ان کی نگاہ اس طرف پڑی جہاں انہوں نے نماز پڑھی تھی، تو دیکھا کہ کچھ لوگ کھڑے ہیں، پوچھا، یہ کیا کر رہے ہیں؟ میں نے کہا: سنتیں پڑھ رہے ہیں۔ انھوں نے کہا: اگر مجھے سنتیں پڑھنی ہوتیں تو میں نماز ہی پوری کرتا یعنی قصر نہ کرتا، اے میرے بھتیجے! میں سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا ہوں کبھی آپ نے دو رکعت سے زائد نماز نہ پڑھی

یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وفات دے دی اور میں نے ابوبکر کی صحبت اختیار کی انہوں نے بھی کبھی دو رکعت سے زیادہ نماز نہ پڑھی یہاں تک آپ کی وفات ہوگئی اور میں عمر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ رہا۔ انہوں نے بھی دو رکعت سے زائد نہ پڑھی یہاں تک اللہ نے انہیں وفات دے دی اور میں عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہا انہوں نے بھی دو رکعت سے زائد نماز نہیں پڑھی یہاں تک کہ اللہ نے ان کی روح قبض کرلی اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: تمہارے لیے اللہ کے رسول (کی زندگی) میں بہترین نمونہ ہے۔

مسافر کے لیے جس طرح قصر کی رخصت ہے اسی طرح سنن رواتب نہ پڑھنے کی اجازت ہے اور جس طرح وہ قصر نماز پڑھ کر کامل نماز کا ثواب حاصل کرتا ہے اسی طرح جو شخص حالتِ اقامت میں سننِ رواتب کا اہتمام کرتا ہے اسے حالت سفر میں بھی ان کا ثواب ملتا رہتا ہے۔

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"إذا مرض العبد أو سافر كتب له من الأجر مثل ما كان يعمل مقيماً صحيحا" (۱۱۱)

جب بندہ بیمار ہوتا ہے یا سفر کرتا ہے تو اس کے لیے ان تمام اعمال کا ثواب بھی لکھا جاتا ہے جنہیں اقامت اور صحت کے وقت ادا کیا کرتا تھا۔

ابن بطال رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں رقمطراز ہیں:

"إنما هو لمن كانت له نوافل وعادة من عمل صالح فمنعه الله منها بالمرض أو السفر وكانت نيته لو كان صحيحًا أو مقيمًا أن يدوم عليها ولا يقطعها؛ فإن الله يتفضل عليه بأن يكتب له أجر ثوابها حين حبسه عنها" (۱۱۲)

یہ فضیلت اس شخص کے لیے ہے جس کا نفلی نمازیں پڑھنا اور عمل صالح کرنا معمول ہو پھر وہ بیماری یا سفر کی وجہ سے انہیں انجام نہ دے سکے اور اس کی نیت ہو کہ اگر وہ تندرست ہوتا یا مقیم ہوتا تو ان عبادات پر ہمیشگی برتتا اور انہیں جاری رکھتا تو اللہ کے فضل سے ایسے شخص کا ثواب اس حالت میں بھی لکھا جاتا رہے گا۔

ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وكان من هديه -صلى الله عليه وسلم- في سفره الاقتصار على الفرض، ولم يحفظ عنه أنه -صلى الله عليه وسلم- صلى سنة الصلاة قبلها ولا بعدها إلا ما كان من سنة الوتر والفجر، فإنه لم يكن يدعها حضرا ولا سفرا" (۱۱۳)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت تھی کہ آپ سفر میں فرض نمازوں پر ہی اکتفا کرتے تھے، کسی سنت قبلیہ یا بعدیہ کا پڑھنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے سوائے فجر اور وتر کی سنتوں کے انہیں آپ نہ سفر میں چھوڑتے تھے اور نہ حضر میں۔

شیخ الحدیث عبیداللہ مبارک پوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مسافرت کی حالت میں فجر کی سنت کے علاوہ کسی بھی سنت قبلیہ یا بعدیہ پڑھنے کا حکم اور مطالبہ نہیں ہے جب چار رکعت والی فرض نماز میں قصر کا حکم اور اجازت ہے تو سنتوں کے معاملہ میں تو اور بھی زیادہ نرمی اور آسانی ہے (۱۱۴)۔

ایک روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ

وسلم سفر میں ظہر کی دوسنت قبلیہ پڑھنے کا اہتمام کیا کرتے تھے، چنانچہ براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"صحبت رسول الله صلى الله عليه وسلم ثمانية عشر سفراً، فما رأيته ترك ركعتين إذا زاغت الشمس قبل الظهر" (۱۱۵)

میں نے سفر میں اٹھارہ سال تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اختیار کی ہے میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ نے زوال شمس کے بعد ظہر سے قبل دو رکعت کو ترک کیا ہو۔

لیکن یہ حدیث ضعیف ہے، اس کی سند میں ابوبسرہ غفاری مجہول راوی ہے، امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو غریب اور علامہ البانی نے ضعیف کہا ہے۔

علامہ البانی رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

"ولسنا نعلم حديثا صحيحا في محافظته صلى الله عليه وسلم على شيء من السنن الرواتب في السفر سوى سنة الفجر والوتر. والله أعلم" (۱۱۶)

ہم کسی صحیح حدیث کو نہیں جانتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں فجر اور وتر کی سنتوں کے علاوہ کسی سنت راتبہ پر محافظت برتی ہو۔

تنبیہ:

سفر میں مطلق نفلی نمازوں کا پڑھنا مستحب ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نفلی نمازوں کا پڑھنا ثابت ہے، صحابہ کرام نے بھی اس پر عمل کیا ہے، اور اس کے استحباب پر تمام علمائے کرام کا اتفاق ہے۔

عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سفر میں رات کے وقت سواری پر نفلی نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں:

"كان النبي صلى الله عليه وسلم يصلي التطوع وهو راكب في غير القبلة (۱۱۷)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نفلی نماز سواری کی حالت میں غیر قبلہ کی طرف رخ کیے ہوئے پڑھتے تھے۔

مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"صحبتُ ابنَ عمرَ من المدينةِ إلى مكَّةَ، وكان يُصلِّي تطوعًا على دابَّتِه حيثُ توجَّهتْ به، فإذا كانتِ الفريضةُ نزَلَ فصلَّى" (۱۱۸)

میں نے مدینہ سے مکہ تک کے سفر میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی صحبت اختیار کی، وہ اپنی سواری پر نفلی نمازیں پڑھتے تھے اس کا رخ چاہے جس طرف ہو اور جب فرض نماز ادا کرنے کا وقت ہوتا تو سواری سے نیچے اترتے پھر اسے ادا کرتے۔

امام نووی اور ابن مفلح نے سفر کی حالت میں عام نفلی نمازوں کے استحباب پر اجماع نقل کیا ہے (۱۱۹)۔

جمع بین الصلاتین کے وقت سننِ رواتب کی ادائیگی کا طریقہ:

سفر اور حضر دونوں حالتوں میں ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کی نمازوں کے درمیان جمع کرنا جائز ہے اور مسافر کے لیے چار رکعات والی نمازوں میں قصر بھی جائز ہے بلکہ افضل ہے اور اس کے لیے حالتِ سفر میں سنن رواتب نہ پڑھنا مستحب ہے البتہ مقیم کے لیے بارش، بیماری اور دیگر

کسی شرعی عذر کی وجہ سے دونمازوں کے درمیان جمع کرنے کی صورت میں راجح قول کے مطابق سننِ رواتب پڑھنا افضل ہے۔ان کی ادائیگی کے طریقے سے متعلق اگرچہ کوئی نص صریح موجود نہیں ہے لیکن بعض اہل علم نے اس کا درج ذیل طریقہ بیان کیا ہے:

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"في جمع العشاء والمغرب يصلي الفريضتين ثم سنة المغرب ثم سنة العشاء ثم الوتر .وأما في الظهر: فالصواب الذي قاله المحققون أنه يصلي سنة الظهر التي قبلها ثم يصلي الظهر ثم العصر ثم سنة الظهر التي بعدها ثم سنة العصر" (۱۲۰)

مغرب وعشاء کے درمیان جمع کرنے کی صورت میں نمازی پہلے دونوں فرض نمازیں ادا کرے پھر مغرب کی سنتیں پڑھے پھر عشاء کی سنت اور آخر میں وتر کی نماز اور ظہر وعصر کے درمیان جمع کرنے کی صورت میں صحیح قول جسے محققین نے اختیار کیا ہے یہ ہے کہ پہلے ظہر کی سنت قبلیہ پڑھے پھر ظہر اور عصر کی فرض نمازیں اس کے بعد ظہر کی سنت بعدیہ ادا کرے۔

ابن قدامہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"وإذا جمع في وقت الأولى، فله أن يصلي سنة الثانية منهما، ويوتر قبل دخول وقت الثانية؛ لأن سنتها تابعة لها، فيتبعها في فعلها ووقتها، والوتر وقته ما بين صلاة العشاء إلى صلاة الصبح، وقد صلى العشاء فدخل وقته" (۱۲۱)

مغرب وعشاء کی نمازوں میں سے جب پہلی نماز کے وقت میں جمع کرے یعنی جمع تقدیم کرے تو اس کے لیے جائز ہے کہ عشاء کی سنت اور وتر کی نماز دخولِ وقت سے قبل پڑھ لے اس لیے کہ عشاء کی سنت فرض کے تابع ہے تو اس کے وقت اور فعل دونوں میں تابع ہوئی اور وتر کی نماز کا وقت عشاء کی نماز سے فجر کی نماز تک ہے اور وہ عشاء پڑھ چکا لہذا وتر کا وقت داخل ہو چکا ہے۔

ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اگر کوئی بیماری یا بارش کی وجہ سے ظہر کو مؤخر کرے اور عصر میں دونوں نمازوں کو جمع کر کے پڑھے تو سنن رواتب کی ادائیگی کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے ظہر کی چار قبلی سنتوں کو پڑھے پھر ظہر وعصر کی فرض نماز پڑھے پھر ظہر کی بعدی سنت ادا کرے اور مغرب وعشاء کے درمیان جمع کی صورت میں فرض کی ادائیگی کے بعد پہلے مغرب کی سنت راتبہ ادا کرے پھر عشاء کی (۱۲۲)۔

(جاری)

حواشی:

(۹۵) صحیح البخاری (2/8 رقم 910)۔
(۹۶) دیکھئے: لمعات التنقیح فی شرح مشکاۃ المصابیح لعبدالحق الدہلوی (3/500)۔
(۹۷) مجموع الفتاوی (24/189)۔
(۹۸) مرعاۃ المفاتیح (4/457)۔
(۹۹) التوضیح لشرح الجامع الصحیح (7/405)۔
(۱۰۰) الموطا (ص:103)۔
(۱۰۱) شرح سنن ابی داود للعینی (4/475)۔
(۱۰۲) صحیح البخاری (2/600 رقم 881)۔

(۱۰۳) صحیح مسلم (2/600 رقم 882)۔
(۱۰۴) صحیح البخاری (2/13 رقم 937) واللفظ لہ، صحیح مسلم (2/600 رقم 882)۔
(۱۰۵) زاد المعاد (1/424-425)۔
(۱۰۶) سبل السلام (1/409)۔
(۱۰۷) دیکھئے: تمام المنۃ للالبانی (ص:342-341)، مجموع فتاوی ابن باز (30/270)۔
(۱۰۸) صحیح مسلم (2/891 رقم 1218)۔
(۱۰۹) صحیح البخاری (2/164 رقم 1673)۔
(۱۱۰) صحیح مسلم (1/479 رقم 689)۔
(۱۱۱) صحیح البخاری (4/57 رقم 2996)۔
(۱۱۲) شرح صحیح البخاری (5/154)۔
(۱۱۳) زاد المعاد (1/456)۔
(۱۱۴) فتاوی (1/325)۔
(۱۱۵) سنن ابی داود (2/414 رقم 1222)، سنن الترمذی (1/552 رقم 550)۔
(۱۱۶) سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ (3/353)۔
(۱۱۷) صحیح البخاری (2/44 رقم 1094)۔
(۱۱۸) مصنف ابن ابی شیبہ (5/365 رقم 8746)، اس کی سند صحیح ہے۔
(۱۱۹) شرح النووی علی مسلم (5/198)، المبدع فی شرح المقنع (2/118)۔
(۱۲۰) روضۃ الطالبین (1/402
(۱۲۱) المغنی (2/207)۔
(۱۲۲) لقاء الباب المفتوح ، 15/147۔

●●●

اسلام کی خصوصیات

•اسلام ہی ایسا دین ہے جو ہر میدان میں علم وعقل کو ساتھ رکھتا ہے۔
•اسلام ہی ایسا دین ہے جو تہذیب وتمدن کا داعی ہے۔
•اسلام ہی ایسا دین ہے جس کے حق میں متمدن دنیا کے فلاسفہ نے شہادت کی ہے۔
•اسلام ہی ایسا دین ہے جس کی بنیادی تعلیم تمام انبیاء ورسل اور آسمانی کتابوں پر ایمان لانا ہے۔
•اسلام ہی ایسا دین ہے جو بنی نوع انسان کی تمام ضروریات زندگی کا جامع ہے۔
•اسلام ہی ایسا دین ہے جس میں آسانی اور لچک ہے۔
•اسلام ہی ایسا دین ہے جس کی شہادت علمی تجربات نے دی ہے۔
•اسلام ہی ایسا دین ہے جو ہر امت اور ہر زمانہ کے لیے مناسب ہے۔
•اسلام ہی ایسا دین ہے جس پر ہر حال میں عمل کرنا آسان ہے۔
•اسلام ہی ایسا دین ہے جو افراط وتفریط سے خالی ہے۔
•اسلام ہی ایسا دین ہے جس کی مقدس کتاب محفوظ ہے۔
•اسلام ہی ایسا دین ہے جو تمام مفید علوم کے حصول کی اجازت دیتا ہے۔
•اسلام ہی ایسا دین ہے جس سے موجودہ تہذیب مستفاد ہے۔
•اسلام ہی ایسا دین ہے جس میں موجودہ تہذیب کی خرابیوں کا صحیح علاج ہے۔

(اسلام اور پیغمبر اسلام اہل انصاف کی نظر میں
از شیخ احمد بن حجر آل بوطامی ص:۱۴۱۔۱۴۲)

پڑوسیوں سے متعلق اسلامی تعلیمات

محمد یونس مدنی
استاذ جامعہ سلفیہ بنارس

دین اسلام میں انسانی حقوق کو جو عظمت و رفعت حاصل ہے اس کا اندازہ تعلیمات اسلامی سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ اسلام سے قبل حقوق انسانی کی رعایت و پاسداری کا کوئی تصور ہی نہ تھا۔ رسول رحمت ﷺ کی روشن تعلیمات سے اقوام عالم میں حقوق و معاملات کے تئیں کافی بیداری آئی۔ حقوق اللہ پر حقوق العباد کو جو امتیازی حیثیت حاصل ہے وہ قرآن و حدیث سے ظاہر و باہر ہے۔ دیگر حقوق انسانی کے ہمراہ اسلام میں پڑوسیوں کے حقوق کا بھی بہت خیال رکھا گیا ہے۔ سطور ذیل میں اسی حوالے سے کچھ گفتگو ہوگی۔

پڑوسی کا مفہوم:

امام راغب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جار (پڑوسی) وہ ہے جس کا گھر آپ سے قریب ہو، اور یہ اسمائے متضایفہ میں سے ہے۔ مطلب یہ کہ دو لوگ آپس میں ایک دوسرے کے پڑوسی ہوں۔

پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کا مفہوم:

حسب استطاعت پڑوسی کے ساتھ بھلائی سے پیش آنا چاہیے اس کی کئی ایک شکلیں ہوسکتی ہیں؛ تحفے وعطیات دینا یا سلام عرض کرنا، خندہ جبینی سے ملنا، موقع بہ موقع خبر گیری و دست گیری کرنا، ذہنی وجسمانی کسی بھی قسم کی ایذا رسانی سے گریز کرنا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لفظ جار (پڑوسی) مسلم وکافر، عابد وفاسق، دوست ودشمن، مانوس ونامانوس، نفع بخش وضرر رساں، رشتے دار وغیر ہر ایک کو شامل ہے۔

پڑوسی کون ہے؟

پڑوسی کی تعیین سلف صالحین الگ الگ زاویے سے کرتے ہیں، بقول بعض: بستی کی اذان کے سماع میں جس قدر لوگ مشترک ہوں وہ آپس میں پڑوسی ہیں۔ اسی طرح جو آپ کے ساتھ صلاۃ فجر میں شریک ہوں وہ بھی پڑوسی ہیں۔ نیز چہار جانب چالیس گھر پڑوس کے زمرے میں آتے ہیں۔

بالعموم پڑوسی تین طرح کے ہوتے ہیں:

۱۔ جو قرابت دار ہو، اسلامی بھائی ہو اور پڑوسی بھی ہو۔

۲۔ جو مسلمان ہونے کے ساتھ ساتھ پڑوسی بھی ہو۔

۳۔ جو صرف پڑوسی ہو۔ حسب مدارج ان کے حقوق بھی متفاوت ہیں۔

پڑوسی سے متعلق قرآنی ہدایات:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

۱۔ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ (النساء:۳۶)

ترجمہ: قرابت دار ہمسایہ سے اور اجنبی ہمسائے سے

حسن سلوک کرو۔ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے سوال کیا: "زنا کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟" لوگوں نے کہا: وہ حرام ہے اللہ نے اور اس کے رسول نے اسے حرام کیا ہے اور قیامت تک وہ حرام ہی رہے گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سنو! دس عورتوں سے زنا کاری کرنے والا اس شخص سے کم گنہگار ہے جو اپنے پڑوسی کی عورت سے زنا کرے"، پھر دریافت فرمایا: "تم چوری کی نسبت کیا کہتے ہو؟" انہوں نے جواب دیا کہ اسے بھی اللہ تعالیٰ نے اس کے رسول نے حرام کیا ہے اور وہ بھی قیامت تک حرام ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سنو دس گھروں سے چوری کرنے والے کا گناہ اس شخص کے گناہ سے ہلکا ہے جو اپنے پڑوسی کے گھر سے کچھ چرالے"۔ (مسند احمد: 8/6، قال الشیخ الالبانی: صحیح)

۲۔ وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا (الفرقان: ٦٨)

ترجمہ: اور اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے اور کسی ایسے شخص کو جسے قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے منع کر دیا ہو وہ بجز حق کے قتل نہیں کرتے نہ وہ زنا کے مرتکب ہوتے ہیں اور جو کوئی یہ کام کرے وہ اپنے اوپر سخت وبال لائے گا۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے سوال کیا گیا، کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا۔ یہ کہ تو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے حالاں کہ اس نے تجھے پیدا کیا۔ کہا گیا، اس کے بعد کون سا گناہ بڑا ہے؟ فرمایا، اپنی اولاد کو اس خوف سے قتل کرنا کہ وہ تیرے ساتھ کھائے گی، پوچھا گیا پھر کون سا؟ آپ نے فرمایا، یہ کہ تو اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ ان باتوں کی تصدیق اس آیت سے ہوتی ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی (البخاری، تفسیر سورۃ البقرۃ: ۴۴۷۷)

۳۔ لَّا يُحِبُّ اللَّهُ الْجَهْرَ بِالسُّوءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَن ظُلِمَ ۚ وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا عَلِيمًا (النساء: ١٤٨)

ترجمہ: برائی کے ساتھ آواز بلند کرنے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا مگر مظلوم کو اجازت ہے اور اللہ تعالیٰ خوب سنتا اور جانتا ہے۔ حافظ صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: شریعت نے تاکید کی ہے کہ کسی کے اندر برائی دیکھو تو اس کا چرچا نہ کرو بلکہ تنہائی میں اس کو سمجھاؤ۔ اسی طرح کھلے عام اور علی الاعلان برائی کرنا بھی سخت ناپسندیدہ ہے۔ ایک تو برائی کا ارتکاب ویسے ہی ممنوع ہے، چاہے پردے کے اندر ہی کیوں نہ ہو۔ دوسرا اسے سرعام کیا جائے یہ مزید ایک جرم ہے البتہ اس سے الگ ہے کہ ظالم کے ظلم کو تم لوگوں کے سامنے بیان کر سکتے ہو۔ جس سے ایک فائدہ یہ متوقع ہے کہ شاید وہ ظلم سے باز آجائے اور اس کی تلافی کی سعی کرے۔ دوسرا فائدہ یہ ہے لوگ اس کے شر سے بچ کر رہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور کہا کہ مجھے میرا پڑوسی ایذا دیتا ہے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس سے فرمایا تم اپنا سامان نکال کر باہر راستے میں رکھ دو، اس نے ایسا ہی کیا۔ چنانچہ جو بھی گزرتا اس سے پوچھتا، وہ پڑوسی کے ظالمانہ رویے کی وضاحت کرتا تو سن کر ہر راہ گیر اس پر لعنت ملامت کرتا۔ پڑوسی نے یہ صورتحال دیکھ کر معذرت

کرلی اور آئندہ کے لیے ایذاء نہ پہنچانے کا فیصلہ کرلیا اور اس سے اپنا سامان اندر رکھنے کی التجا کی۔

(سنن ابی داؤد کتاب الادب)

پڑوسی سے متعلق فرمودات نبوی ﷺ:

۱۔ عَنْ عَمْرِو بْنِ الشَّرِيدِ قَالَ وَقَفْتُ عَلَى سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ فَجَاءَ الْمِسْوَرُ بْنُ مَخْرَمَةَ فَوَضَعَ يَدَهُ عَلَى إِحْدَى مَنْكِبَيَّ إِذْ جَاءَ أَبُو رَافِعٍ مَوْلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا سَعْدُ ابْتَعْ مِنِّي بَيْتَيَّ فِي دَارِكَ فَقَالَ سَعْدٌ وَاللَّهِ مَا أَبْتَاعُهُمَا فَقَالَ الْمِسْوَرُ وَاللَّهِ لَتَبْتَاعَنَّهُمَا فَقَالَ سَعْدٌ وَاللَّهِ لَا أَزِيدُكَ عَلَى أَرْبَعَةِ آلَافٍ مُنَجَّمَةً أَوْ مُقَطَّعَةً قَالَ أَبُو رَافِعٍ لَقَدْ أُعْطِيتُ بِهَا خَمْسَ مِائَةِ دِينَارٍ وَلَوْلَا أَنِّي سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْجَارُ أَحَقُّ بِسَقَبِهِ مَا أَعْطَيْتُكَهَا بِأَرْبَعَةِ آلَافٍ وَأَنَا أُعْطَى بِهَا خَمْسَ مِائَةِ دِينَارٍ فَأَعْطَاهَا إِيَّاهُ۔

(صحیح البخاری:2258)

ترجمہ: عمرو بن شرید نے، کہا کہ میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے پاس کھڑا تھا کہ مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور اپنا ہاتھ میرے شانے پر رکھا۔ اتنے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ابورافع رضی اللہ عنہ بھی آ گئے اور فرمایا کہ اے سعد! تمہارے قبیلہ میں جو میرے دو گھر ہیں، انہیں تم خرید لو۔ سعد رضی اللہ عنہ بولے کہ بخدا میں تو انہیں نہیں خریدوں گا۔ اس پر مسور رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نہیں جی تمہیں خریدنا ہوگا۔ سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پھر میں چار ہزار سے زیادہ نہیں دے سکتا۔ اور وہ بھی قسط وار۔ ابورافع رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے پانچ سو دینار ان کے مل رہے ہیں۔ اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ نہ سنا ہوتا کہ پڑوسی اپنے پڑوس کا زیادہ حق دار ہے۔ تو میں ان گھروں کو چار ہزار پر تمہیں ہرگز نہ دیتا۔ جب کہ مجھے پانچ سو دینار ان کے مل رہے ہیں۔ چنانچہ وہ دونوں گھر ابورافع رضی اللہ عنہ نے سعد رضی اللہ عنہ کو دے دیے۔

۲۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَمْنَعْ جَارٌ جَارَهُ أَنْ يَغْرِزَ خَشَبَهُ فِي جِدَارِهِ ثُمَّ يَقُولُ أَبُو هُرَيْرَةَ مَا لِي أَرَاكُمْ عَنْهَا مُعْرِضِينَ وَاللَّهِ لَأَرْمِيَنَّ بِهَا بَيْنَ أَكْتَافِكُمْ۔ (صحیح البخاری:2463)

ترجمہ: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کوئی شخص اپنے پڑوسی کو اپنی دیوار میں کھونٹی گاڑنے سے نہ روکے۔ پھر ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے، یہ کیا بات ہے کہ میں تمہیں اس سے منہ پھیرنے والا پاتا ہوں۔ قسم اللہ! میں تو اس حدیث کا تمہارے سامنے برابر اعلان کرتا ہی رہوں گا۔

۳۔ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، قَالَتْ: قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّ لِي جَارَيْنِ فَإِلَى أَيِّهِمَا أُهْدِي؟ قَالَ: «إِلَى أَقْرَبِهِمَا مِنْكِ بَابًا۔ (صحیح البخاری:2595)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے دو پڑوسی ہیں، تو مجھے کس کے گھر ہدیہ بھیجنا چاہئے؟ آپ نے فرمایا کہ جس کا دروازہ تم سے قریب ہو۔

۴۔ عن أبي هريرة، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يؤذ ذي جاره

(صحیح البخاری:5185)

ترجمہ:حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائے۔

۵۔ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيُكْرِمْ جَارَهُ۔(صحیح البخاری:6475)

ترجمہ: فرمایا کہ جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے پڑوسی کا اکرام کرے۔

۶۔عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا زَالَ يُوصِينِي جِبْرِيلُ بِالْجَارِ، حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُوَرِّثُهُ(صحیح البخاری:6014)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت جبرئیل علیہ السلام مجھے پڑوسی کے بارے میں بار بار اس طرح وصیت کرتے رہے کہ مجھے خیال گزرا کہ شاید پڑوسی کو وراثت میں شریک نہ کردیں۔

۷۔أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: وَاللَّهِ لاَ يُؤْمِنُ، وَاللَّهِ لاَ يُؤْمِنُ، وَاللَّهِ لاَ يُؤْمِنُ قِيلَ: وَمَنْ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ:الَّذِي لاَ يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَايِقَهُ(صحیح البخاری:6016)

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا واللہ! وہ ایمان والا نہیں، واللہ! وہ ایمان والا نہیں۔ واللہ! وہ ایمان والا نہیں۔عرض کیا گیا کون یارسول اللہ؟ فرمایا وہ جس کے شر سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ ہو۔

۸۔عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتَّى يُحِبَّ لِجَارِهِ۔ أَوْ قَالَ:لِأَخِيهِ۔مَايُحِبُّ لِنَفْسِهِ"(صحیح مسلم:171)

ترجمہ:انس بن مالک سے روایت ہے، انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کی، آپ نے فرمایا:''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! کوئی بندہ اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک اپنے پڑوسی کے لیے (یا فرمایا:اپنے بھائی کے لیے) وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

۹۔عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ لَا يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَه

(صحیح مسلم:172)

ترجمہ:حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''جس کی ایذا رسانی سے اس کے پڑوسی محفوظ نہ ہوں، وہ جنت میں نہیں جائے گا۔''

۱۰۔عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَبَا ذَرٍّ إِذَا طَبَخْتَ مَرَقَةً فَأَكْثِرْ مَاءَهَا وَتَعَاهَدْ جِيرَانَكَ۔(صحیح مسلم:6688)

ترجمہ:حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:ابوذر! جب تم شوربا پکاؤ تو اس میں پانی زیادہ رکھو اور اپنے پڑوسیوں کو یاد رکھو۔

۱۱۔عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ الْأَصْحَابِ عِنْدَ اللَّهِ خَيْرُهُمْ لِصَاحِبِهِ وَخَيْرُ الْجِيرَانِ عِنْدَ اللَّهِ خَيْرُهُمْ لِجَارِهِ۔

(جامع ترمذی:1944)

ترجمہ: عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا: 'اللہ کے نزدیک سب سے بہتر دوست وہ ہے جو لوگوں میں اپنے دوست کے لیے بہتر ہے، اور اللہ کے نزدیک سب سے بہتر پڑوسی وہ ہے جو اپنے پڑوسی کے لیے بہتر ہے۔

۱۲۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعَوَّذُوا بِاللهِ مِنْ جَارِ السَّوْءِ فِي دَارِ الْمُقَامِ فَإِنَّ جَارَ الْبَادِيَةِ يَتَحَوَّلُ عَنْكَ۔ (سنن نسائی:5504)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مستقل رہائش میں برے پڑوسی سے پناہ مانگو۔ عارضی پڑوسی تو جلد بدیر تجھ سے دور ہوجائے گا۔

مستقل رہائش گاہ یعنی شہر اور بستیاں ہیں جہاں مکانات بنائے جاتے ہیں جو صدیوں تک قائم رہتے ہیں اور عارضی پروسی سے مراد سفر اور صحرا کا پڑوسی ہے جہاں عارضی خیمے لگائے جاتے ہیں اور کچھ دیر بعد اکھیڑ لیے جاتے ہیں۔ ظاہر ہے بستی کا پڑوسی تو ساری زندگی کا پڑوسی رہے گا لہذا وہ اچھا ہونا چاہیے ورنہ زندگی اجیرن بنی رہے گی۔

۱۳۔ نبی ﷺ سے کہا گیا: فلاں عورت نماز، روزہ اور صدقات وغیرہ کا بڑا اہتمام کرتی ہے مگر اپنے پڑوسیوں کو اذیت پہنچاتی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: وہ جہنمی ہے۔ ایک دوسری خاتون کے سلسلے میں دریافت کیا گیا کہ وہ بہت زیادہ نماز، روزہ کا اہتمام تو نہیں کرتی البتہ پڑوسیوں سے اس کا معاملہ بہتر ہے فرمایا: وہ جنتی ہے۔ (مسند احمد)

۱۴۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: يَا نِسَاءَ المُسْلِمَاتِ، لاَ تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِجَارَتِهَا وَلَوْ فِرْسِنَ شَاةٍ (صحیح البخاری:6017)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ اے مسلمان عورتو! تم میں سے کوئی عورت اپنی کسی پڑوسن کے لیے کسی بھی چیز کو (ہدیہ میں) دینے کے لیے حقیر نہ سمجھے خواہ بکری کا پایہ ہی کیوں نہ ہو۔

۱۵۔ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو، أَنَّهُ ذَبَحَ شَاةً فَقَالَ أَهْدَيْتُمْ لِجَارِي الْيَهُودِيِّ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ "مَا زَالَ جِبْرِيلُ يُوصِينِي بِالْجَارِ حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُوَرِّثُهُ ."(سنن ابی داود:5152)

ترجمہ: عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے ایک بکری ذبح کی اور کہا: کیا تم نے اس میں سے میرے یہودی پڑوسی کو تحفہ دیا ہے؟، کیوں کہ میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام مجھے پڑوسی کے بارے میں بار بار اس طرح وصیت کرتے رہے کہ مجھے خیال گزرا کہ شاید پڑوسی کو وراثت میں شریک نہ کردیں۔

آثار سلف:

۱۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے فرزند عبدالرحمن کو پڑوسیوں سے الجھتے دیکھا تو فرمایا:

لا تناص جارك فإن هذا يبقى والناس يذهبون (إحياء علوم الدين)

ترجمہ: پڑوسیوں سے نہ الجھو ضرورت پر پڑوسی ہی کام آئیں گے۔

۲۔ ایک شخص ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس اپنے

پڑوسی کی شکایت لے کر آیا۔ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اذهب فان هو عصى الله فيك فأطع الله فيه

(إحیاء علوم الدین)

ترجمہ: جاؤاس نے تمہاری حق تلفی کی ہے تم اس کی حق تلفی نہ کرو۔

۳۔بعض سلف صالحین فرماتے تھے:

حسن الجوار باب من أبواب الجنة وسوءه باب من أبواب النار

ترجمہ: پڑوسی سے حسن سلوک حصول جنت کا اور بد سلوکی حصول جہنم کا ذریعہ ہے۔

آج کے اس پرفتن دور میں جب ہم اپنا اور معاشرے کا جائزہ لیتے ہیں تو ہر طرف بے حسی ہی نظر آتی ہے۔جنہیں بلا ناغہ وافر نعمتیں میسر ہیں ان کا احساس مردہ ہو چکا ہے، روزے اللہ نے اسی لیے فرض کیے تا کہ بھوک و پیاس کا احساس باقی رہے۔جو لوگ انواع واقسام کی نعمتوں سے پیٹ بھر کر مست ہو جاتے ہیں جی بھر جائے تو بقیہ غلاظت گاہوں میں اچھال دیتے ہیں اور ان کے ہمسایے مارے بھوک کے سیدھے کھڑے بھی نہیں ہو سکتے ایسے ہی لوگوں کے بارے میں نبی ﷺ فرماتے ہیں:

ما آمن بي من بات شبعان وجاره جائع إلى جنبه وهو يعلم به (مسند بزار)

ترجمہ: وہ آدمی مجھ پر ایمان نہیں لایا جس نے سیر ہوکر رات گزاری اور اس کا پڑوسی بھوکا لیٹا رہا جبکہ اس کے فاقہ سے وہ خبردار تھا۔

پڑوسیوں کے ساتھ صحابہ کرام کا تعامل:

خیر القرون اسلامی تاریخ کا زریں باب ہے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین وخلفائے راشدین نے دنیا والوں کے سامنے حسن الجوار کا مثالی نمونہ پیش کیا۔ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ باوجود اپنی وجاہت اور مصروفیت کے اپنے ہمسایوں کی بچیوں کو ان کی بکریوں کا دودھ دوہ کر دیا کرتے تھے جب آپ منصب خلافت پر فائز ہوئے تو ان کے ہمسایوں کی بچیاں افسوس کرنے لگیں کہ اب ہماری بکریوں کا دودھ کون دوہا کرے گا۔اللہ اکبر! ہم کیسے تابناک ماضی کے حامل ہیں۔امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ رات کی تاریکی میں ایک نابینا عمر رسیدہ خاتون کی خدمت میں پابندی سے جاتے تھے۔طلحہ بن عبیداللہ وسوسے میں مبتلا ہو گئے اس بوڑھی ماں کی خدمت میں حاضر ہوئے تو خلیفۂ ثانی کی خدمت گزاری کا حال سن کر اپنے آپ کو کوسنے لگے۔طلحہ تیری ماں تجھے گم پائے تو امیر المومنین کی لغزشیں تلاش کرتا ہے۔ایسے ہی خوش خصال پڑوسیوں کے متعلق جریر کو کہنا پڑا تھا

سلام على أهل الديار لا نبتغي بدلا

دار ابدار ولا الجيران جيرانا

اللہ تعالیٰ ہمیں پڑوسیوں کے ساتھ حسن معاشرت کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

●●●

دینداری کا ایسا خمار مرفوض کے ساتھ مبغوض بھی ہے

عبدالعلیم عبدالحفیظ سلفی
جمعیۃ الدعوہ والارشاد مملکت سعودی عرب

دینداری ایک خوبصورت احساس ہے جو کسی بھی انسان کے عمل سے مترشح ہوتا ہے ،کوئی بھی انسان خاص طور سے مسلمان جب کسی دیندار اور اس کی دینداری کو دیکھتا ہے تو خود بخود اس کے دل میں اس کی قدر بڑھ جاتی ہے ، یہ ایک فطری جذبہ ہے ، مجھے یاد ہے ہمارے گاؤں اور علاقے میں نمازی یا داڑھی والے کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، جہاں سے ان کا گزر ہوجائے لوگ احتراما کھڑے ہوجاتے تھے اور کہیں کہیں آج بھی یہ چیز موجود ہے۔لیکن کیا کسی بھی مسلمان کا بظاہر دیندار ہونا اللہ تعالیٰ کے یہاں کافی ہے،خاص طور سے جب اس کے عمل اور عقیدہ کے اندر غیر شرعی مقاصد کی آمیزش ہو؟ جیسے ریاءکاری، دنیا طلبی، بدعت، شرک اور دیگر خطرناک امور وعقائد؟ ایسا بالکل نہیں ہے، ظاہر سی بات ہے کہ شریعت کی نگاہ میں آدمی اعمال کا پہاڑ لے کر آئے پھر بھی عمل کی قبولیت اور اصل دینداری کا اعتبار قرآن وسنت صحیحہ کے مطابق ہوگا اور ہر دینداری کے لئے شریعت کا میزان ہی ضروری قرار پائے گا۔

یہاں یہ بھی واضح رہے کہ غیر ضروری اور حد سے بڑھی ہوئی دینداری بسا اوقات فتنوں کا سبب بھی بنتا ہے اور ایسا دیندار اپنی بے جا دلیلوں کی وجہ سے اپنی دینداری میں اندھا بہرہ بن جاتا ہے، اب اس کے سامنے لاکھ صحیح اور مناسب دلیلیں پیش کی جائیں، مانتا وہی ہے جس کو وہ پہلے سے اچھا سمجھ رہا ہے، اس لئے ایسی دینداری سے عصبیت اور غلو کا تعفّن غیر متوقع نہیں ہے۔

موجودہ دور میں کسی گروہ کے صحیح وغلط ہونے کے لئے ان کی بعض محنت وکوشش کو معیار قرار دینا ، جب کہ وہ کسی گروہ سے بغض یا کسی کی طرف رجحان اور اس سے حد سے بڑھی ہوئی عقیدت کی بنیاد پر ہو عام سی بات ہوگئی ہے، حالانکہ ایسے موقع سے خاص طور سے جب معاملہ دین کا ہو ایسے گروہ یا فرد کے اعمال کے ساتھ ساتھ ان کے عقائد کو بھی دیکھنا ضروری ہے، ورنہ عقائد کی خرابی انسان کی دنیا وآخرت کے خسران کا سبب بن سکتی ہے ، یہ دیکھتے ہوئے کہ عالَمِ دریافت میں فکروفہم کے ایسے ایسے راستے موجود ہیں جو پلک جھپکتے ہی سمجھ کے زاویے بدل دیتے ہوں، اور حد سے بڑھی ہوئی دینداری نے تو اس عالَم سے وافر حصہ پایا ہے، اس نے تو اسلام جیسے منہج صافی کو بھی ہر ممکن مکدر کرنے کی کوشش کی ہے، شرک سے لے کر بدعات تک جتنی بھی خرابیاں ہم مسلمانوں میں دیکھتے ہیں، وہ سب مقصدِ کسب مال اور حصول زر کے ساتھ ساتھ غیر مناسب تدیّن ہی کا نتیجہ ہیں، یہی وجہ ہے کہ سلف نے ہمیشہ اس بات کا خدشہ ظاہر کیا ہے کہ بدعتی کو توبہ کی توفیق نہیں

ہوتی کیونکہ دینداری میں غلو ہمیشہ توبہ اورتوفیق کی راہ میں آڑے آتی ہے۔

خطرناک دینداری کی واضح اور روشن مثال ہمیں اسلام کے عہد اول میں خوارج کی شکل میں ملتی ہے، خوارج اسلام میں پیدا ہونے والا ایک ایسا گروہ ہے جو پورے طور پر اسلام اور دینداری کے نام پر وجود میں آیا، حالانکہ اس گروہ کی پیشین گوئی نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی پہلے ہی کردی گئی تھی۔ سب سے اہم نکتہ یہ ہے کہ اس گروہ کا وجود خیرالقرون میں ہوتا ہے، خلیفہ راشد بھی موجود ہے، صحابہ کی ایک بڑی تعداد بھی موجود ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرانے کے افراد بھی موجود ہیں، دینداری کے لئے ایک مثالی عہد ہے، عبادت، جہاد، نظام خلافت کے سارے شرائط، صحیح تعلیم وتعلم کا وسیلہ سب کچھ موجود ہوتے ہوئے جب یہ گروہ جنم لیتا ہے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین انہیں واجب القتل قرار دیتے ہیں، ایسا نہیں تھا کہ یہ گروہ بددین تھا، عمل وعبادت میں یہ ایسے تھے کہ صحابہ کرام اپنے عمل کو ان کے سامنے حقیر اور کمتر سمجھتے تھے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے عملی تحمس اور پختگی کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

”يَحْقِرُ أَحَدُكُمْ صَلاتَهُ مَعَ صَلاتِهِمْ وَصِيَامَهُ مَعَ صِيَامِهِمْ، يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ لاَيُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ، يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ كَمَايَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ“

تم ان کی نماز کے سامنے اپنی نماز اور ان کے روزے کے سامنے اپنے روزوں کو حقیر سمجھوگے، یہ قرآن پڑھیں گے لیکن وہ ان کے گلے سے نہیں اترے گا، یہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار کے جسم سے نکل جاتا ہے۔ صحیح بخاری کی روایت میں ہے:

”يقرءون القرآن لا يجاوز حناجرهم يقتلون أهل الإسلام ويدعون أهل الأوثان يمرقون من الإسلام كما يمرق السهم من الرمية لئن أدركتهم لأقتلنهم قتل عاد“

قرآن پڑھیں گے لیکن وہ ان کے گلے سے نہیں اترے گا، اہل اسلام کو قتل کریں گے اور بتوں کے پجاریوں کو دعوت دیں گے یہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار کے جسم سے نکل جاتا ہے، اگر میں ان کو پالوں تو قوم عاد کی طرح ان کو قتل کروں گا۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے یہ حدیث اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔ (دیکھئے: صحیح البخاری: 3341، 3344، 4351، صحیح مسلم: 1064، 1065، 1066)

دینداری کی وہ کون سی ظاہری شرط ہے جو ان میں نہیں تھی؟ قرآن کی تلاوت میں بڑھ کر تھے۔ نماز روزوں میں عملاً وجہداً ممتاز تھے۔ عبداللہ بن عباس کے بقول: میں نے عبادت میں ان سے زیادہ مجتہد نہیں دیکھا، ان کے چہروں پر سجدوں کے نشانات تھے۔ جھوٹ ان کے یہاں ایسا کبیرہ گناہ کہ اس کا ارتکاب کرنے والے کو خلود فی النار کا مستحق قرار دیا۔ جنگ اور اختلاف کے وقت ایسا نعرہ کہ اس سے بہتر نعرہ شاید ڈھونڈنے سے ملے (لاحکم الا للہ)، ایک صحیح مسلمان کے لئے اختلاف اور انتشار کے وقت اس سے بہتر نعرہ اور کیا ہوسکتا ہے؟ لیکن یہ فرقہ اپنے غیر معمولی عملی

دینداری کے باوجود صحیح عقائد سے بھٹکا ہوا تھا، ولی الامر کی اطاعت سے نکلنا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سب وشتم کرنا، مرتکب کبیرہ کی تکفیر، حجیت سنت کا انکار اور صفات باری تعالیٰ کی تاویل وتعطیل، یہ ایسے عقائد ہیں جو کسی بھی فرقہ کی گمراہی کے لئے کافی ہیں، یہی وجہ ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان سے دوری اختیار کی اور ان سے قتال کرنے میں پس وپیش سے کام نہیں لیا۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ خوارج روایت حدیث میں ثقہ ترین لوگوں میں سے تھے ان کی بعض روایتیں صحیح ترین سندوں میں شمار کی جاتی ہیں، جیسا کہ خطیب بغدادی نے امام ابوداود کا قول نقل کیا ہے کہ: بدعت پرستوں میں سے خوارج کی روایتوں سے زیادہ صحیح روایتیں کسی کی نہیں ہوتیں اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے بقول: خوارج جان بوجھ کر جھوٹ بولنے والوں میں سے نہیں تھے یہاں تک کہا جاتا ہے کہ ان کی حدیثیں صحیح ترین ہوا کرتی تھیں لیکن یہ جہالت کی وجہ سے اپنی بدعت میں گمراہ ہوگئے اور ان کی بدعت الحاد وزندقیت کی بنیاد پر نہیں تھی بلکہ قرآن کریم کے فہم سے جہالت وگمراہی کی بنیاد پر تھی۔(منہاج السنہ النبویہ:1/68)۔اس کی وجہ یہ ہے کہ جھوٹ جو کبیرہ گناہوں میں سے ہے ان کے نزدیک نہ یہ کہ اس کا مرتکب آثم ہے بلکہ جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا اس کے اوپر کفر کا اطلاق ہوتا ہے۔

معلوم ہوا کہ روایت حدیث میں اپنی ثقاہت کے باوجود تاویلی اور تخریبی فکر وعمل کا اثر ان کی گمراہیت کا سبب بنا جس کی پیشین گوئی پہلے ہی کی جا چکی تھی۔یہی وجہ ہے کہ علماء سلف کی ایک معتدبہ تعداد جیسے امام بخاری، امام ابوبکر بن العربی، امام سبکی اور امام قرطبی، امام شافعی، امام مالک، امام احمد نیز اہل حدیث کی ایک جماعت نے ظاہری تدین وتزہد کے باوجود ان کی طرف کفر کی نسبت کی ہے، معاصرین میں سے شیخ ابن باز بھی اسی کی جانب گئے ہیں۔ (دیکھئے: فتح الباری :12/313، الابانۃ الصغری: ص152، الشفا:2/1057، مجموع فتاوی ابن تیمیہ: 28/518 والمغنی لابن قدامہ:12/239) علماء سلف نے ان کی تکفیر بلاوجہ نہیں کی ہے، اگر وہ صرف ان کی ظاہری عملی دینداری کو دیکھتے تو تکفیر کی کوئی وجہ نہیں تھی، لیکن دینداری کی مذکورہ صورت کے بجائے انہوں نے ان کے عقائد اور افکار کو معیار بنایا، ہم یہاں یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ ان کی نمازیں، ان کا روزہ اور دیگر عبادتیں سنت کے بیان کردہ طریقوں سے ہٹی ہوئی تھیں، کیونکہ صحابہ کرام کا عہد ہے عبادت واعمال میں بدعت کو رواج دینے کا چلن ابھی نہیں ہوا ہے۔آیئے دیکھتے ہیں کہ سلف نے ان کی تکفیر کن بنیادوں پر کی ہے:

(1) احادیث میں وارد الفاظ کی بنا پر جن میں ان کی ضلالت وگمراہی کی وضاحت موجود ہے جیسے:

"یمروقون من الإسلام مروق السهم من الرمیة" دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار کے جسم سے نکل جاتا ہے۔

"لایجاوز إیمانهم حناجرهم" ان کا ایمان ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔

"فأینما لقیتموهم فاقتلوهم" انہیں جہاں بھی پاؤ قتل کر ڈالو۔

''فإن قتلهم أجر لمن قتلهم يوم القيامة'' ان کو قتل کرنے والے کو قیامت کے دن اجر ملے گا۔

''لأقتلنهم قتل عاد وفي لفظ ثمود'' (اگر میں انہیں پالیتا تو) عاد کی طرح قتل کر دیتا اور ایک روایت میں لفظ ثمود ہے۔

''هم شر الخلق'' وہ بری مخلوق ہیں۔

''إنهم أبغض الخلق إلى الله تعالى'' وہ اللہ تعالی کے نزدیک مخلوق میں سب سے برے ہیں۔

(2) بزرگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تکفیر جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کو شامل ہے کیونکہ آپ نے ان کے جنتی ہونے کی شہادت دی ہے۔

(3) یہ اپنے مخالفین کے خون اور مال کو مباح سمجھتے ہیں اور ان کی تکفیر کے قائل ہیں۔ آپ تاریخ کے صفحات میں دیکھیں گے کہ عالم اسلام میں جب جب انتشار پھیلا، مسلمانوں کے مختلف گروہ بنے اور ان میں آپسی قتل وخونریزی کا ایک لامتناہی سلسلہ چلا اس کی وجوہات میں سے ایک بڑی وجہ غیر مناسب اور حد سے بڑھا ہوا تدیّن بھی رہا ہے۔ جبکہ قرآن وسنت کے بے شمار نصوص میں غلو فی الدین اور تقدم بین یدي اللہ ورسولہ کو مذموم وممنوع قرار دیا گیا ہے، آخر یہود ونصاری کو بھی غلو نے ہی گمراہ کیا تھا، جس سے اللہ رب العزت نے واضح طور پر منع کیا ہے:

(يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ) (النساء:171)۔

(اے اہل کتاب اپنے دین میں غلو مت کرو، اور اللہ تعالی پر بجز حق کے کچھ نہ کہو)۔

چنانچہ جب کسی فرد یا جماعت کے مزاج وعمل میں غلو فی الدین کا عمل دخل ہو جاتا ہے تو اس کے اندر اپنی خود ساختہ دینداری کا ایسا نشہ چھاتا ہے جو اسے کسی بھی حق اور معیار تدین کو قبول کرنے سے گرداں کر دیتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ کچھ ظاہری اعمال کو ہی اصل دین سمجھ لیتا ہے۔:

أغاية الدين أن تحفوا شواربكم
يا أمة ضحكت من جهلها الأمم (متنبي)

(کیا دین کا صرف یہی مقصد رہ گیا ہے کہ اپنی مونچھیں جڑ سے مونڈ لو؟ ہائے رے امت! جس کی جہالت پر قومیں ٹھٹھا کر رہی ہیں)۔

آج جب کسی جماعت یا فرد کے عقیدہ وعمل کی خرابی کو بیان کیا جاتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ فلاں جماعت نہایت ہی بے ضرر جماعت ہے، ان کی بے شمار خدمات ہیں، یہ دن ورات خوب محنت کرتے ہیں سیکڑوں میل پیدل چلتے ہیں، دنیا سے دور رہتے ہیں، اللہ کے راستے میں نکلنے کے لئے کچھ دنوں تک گھر بار، کھیتی باڑی، بال بچوں اور نوکری اور تجارت تک کو بھول جاتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ یہ باتیں کہنے اور سننے میں بڑی بھلی اور میٹھی لگتی ہیں، لیکن اگر صرف یہ سب ہی معیار دین ہوتا تو پھر رہبانیت اور مطلقا تبتّل کو شریعت میں حرام کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ اس طرح کی جماعتوں نے ظاہری دینداری کے باوجود قرآن وسنت کی صحیح تعلیمات سے شعوری یا غیر شعوری طور پر عام لوگوں کے ساتھ ساتھ کچھ تعلیم یافتہ افراد کو بھی دور کر دیا ہے، عام لوگ اس دھوکے میں ہوتے ہیں کہ یہ

نہایت ہی دیندار ہیں، جبکہ ان کی دینداری نے ہی لوگوں کے عقائد کو خراب کیا ہے، آپ دینداری کا دعوی کریں اور قرآن وسنت کی صحیح تعلیمات سے روگردانی کریں ان سے بے اعتنائی برتیں-ایں چہ بوالعجبی است؟ -

طرفہ تماشہ تو یہ ہے کہ ایسی جماعتیں اپنے مخالفین کو ہرگز برداشت نہیں کرتیں، دین کے نام پر جنم لینے والی بعض جماعتوں کو حال اور ماضی میں دیکھا گیا ہے کہ انہوں نے مسجدوں تک کو مسمار کیا ہے، صرف ہندوستان میں سیکڑوں مسجدوں کے پروجیکٹ کو روک دیا ہے، صرف اس لئے کہ یہ مسجدیں بنانے والے اور ان کی دیکھ ریکھ کا ذمہ سنبھالنے والے ان کے نظریات وعقائد فاسدہ کے مخالف ہیں یا اپنی مساجد میں صرف قرآن وسنت کی تعلیم کی ہی اجازت دیتے ہیں۔

چلتے چلتے یہ بتا تا چلوں کہ ہمارے ساتھ اور ہمارے بعض احباب کے ساتھ کئی بار یہ مسئلہ پیش آیا ہے کہ جب ہم نے کسی غلطی پر کسی کو نصیحت کی ہے تو جواب ملا کہ فلاں صاحب نے اس کے علاوہ فتویٰ دیا ہے اور ہم انھیں کی بات مانیں گے کیونکہ وہ ایسے اور ایسے دیندار ہیں، جو آدمی اتنا دیندار ہو ہم اسی کی بات مانیں گے، پھر جب فلاں صاحب کے بارے میں معلومات حاصل کی گئیں تو پتا چلا کہ ان کی تعلیم صرف اور صرف گاؤں کے مکتب میں ناظرہ قرآن مجید اور یسرنا القرآن سے آگے نہیں بڑھی ہے، اور کچھ تو محض اردو قاعدہ کا دور بھی اپنے لئے معراج علم سمجھتے ہیں، اور اس سے بھی زیادہ مصیبت خیز اس فلاں کا رویہ ہوتا ہے، کہ جب کوئی مسئلہ اس سے پوچھ دیا جائے تو اس کا جواب نہ دینا اپنی لاجواب شخصیت کی کسر شان سمجھتا ہے، اور بجائے اس کے کہ کسی عالم دین کی طرف رجوع کا مشورہ دے خود مبنی برجہل فتوی جھاڑ دیتا ہے۔ یہ صرف کسی ایک جماعت کے جہلاء کی حالت نہیں ہے میں تو کہوں گا اس حمام میں تمام جماعتوں اور تحریکوں کے متعالمین اور جہلاء ننگے ہیں۔ یا للاسف!!! آپ سو بار سوچیں کہ آپ نے دینداری کے نام پر عقیدہ اور اعمال کے کون سے خُرمہ اور بتاشے بانٹے ہیں؟ آپ کی دعوت سے اگر ایک آدمی کا عقیدہ صحیح ہوجائے وہ لاکھوں بدعقیدہ خودساختہ دیندار سے بہتر ہے۔ کوئی لاکھ اپنی دینداری کا ڈھنڈھورہ پیٹ لے لیکن اصلی دیندار وہی ہے جس کا عقیدہ وعمل دونوں قرآن وسنت کے موافق ہو اور جس کی صحیح سمجھ سلف کے یہاں ملے، ورنہ محض دعوی مرفوض کے ساتھ ساتھ مبغوض بھی ہے، امام مالک کا ایک مشہور قول ہے:

(لا يصلح آخر هذه الأمة إلا بما صلح به أولها)

(اس امت کے متاخرین انہیں مناہج پر چل کر صلاح پا سکتے ہیں جس کے ذریعہ ابتدائی گروہ کامیاب ہوا)

لیکن افسوس کہ واضح فکری ومنہجی گمراہی کے باوجود حق وصلاح کا دعوی کچھ لوگوں میں جھوٹی دینداری کی بنیاد پر بدرجہ اتم ملے گا:

وكل يدعي وصلا بليلى وليلى لا تقر لهم بذاكا

(ہر ایک لیلی سے وصال ومحبت کا دعویدار ہے جبکہ لیلی ان کو بھاؤ ہی نہیں دیتی)۔

آپ کی دعوت اگر خالص قرآن وسنت پر مبنی ہو تو اللہ رب العزت کے یہاں مقبول اور دیرپا ہے لیکن وہی دعوت قرآن وسنت کی غلط اور من مانی تاویل اور ان میں تشکیک

پیدا کر کے ہو تو پھر اس دعوت کا کوئی فائدہ نہیں:

وكيف يفيد نصحك مستهاما
وقلبك من مقامك مستريب
وهل تثق النفوس بقول داع
وتعلم أن قائله كذوب
(محمد سليم الجندی)

(کسی دیوانے کو آپ کی نصیحت کیسے فائدہ پہونچا سکتی ہے جبکہ خود کا دل اپنے مرتبہ سے شک کا شکار ہو۔ کیا نفس کسی داعی کے قول پر بھروسہ کر سکتا ہے جبکہ اسے پتا ہے کہ اس بات کا کہنے والا جھوٹا ہے)۔

اللهم أرنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وأرنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه وصل على نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين۔

■ ■

(بقیہ درس قرآن)

پس یک سو ہو کر اپنا رخ اس دین کی سمت میں جما دو۔ قائم ہو جاؤ اس فطرت پر جس پر اللہ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی بنائی ہوئی ساخت بدلی نہیں جا سکتی، یہی بالکل راست اور درست دین ہے مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔

یہ دین اسلام دین فطرت ہے۔ اس کے جملہ احکام و منہیات انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں جس پر عمل کرنے سے صحت کے لیے، امن و سکون اور راحت کے لیے، انصاف و برابری کے لیے، ہر معاملہ میں بھلائی و فائدہ ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ۲۳ رسالہ دور رسالت میں اپنے عمل سے، اخلاق سے اور وحی الٰہی کے ذریعہ سب کچھ بتا دیا ہے اور آپ نے مسلمانوں کو بھی حکم دیا ہے کہ دین پر قائم رہو اور دین کی بات دوسروں تک پہنچاؤ۔

تبلیغ دین میں اکراہ اور زور زبردستی نہیں ہے۔ اللہ نے حق و باطل کو واضح کر دیا ہے اور ہدایت و ضلالت کی نشاندہی کر دی ہے اور دونوں کے انجام سے بھی باخبر کر دیا ہے اور آپ ﷺ سے مخاطب ہو کر فرمایا: فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ (سورۂ رعد: ۴۰) آپ کا کام صرف پیغام پہنچا دینا ہے اور حساب لینا ہمارا کام ہے۔

اور ایک مکمل سورہ الکافرون اسی مضمون کی اتاری گئی اور آپ سے کہلوایا گیا کہ لکم دینکم ولی دین۔ تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین ہے۔

اور سورہ نحل: ۸۲ میں فرمایا: فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ الْمُبِينُ اب اگر یہ لوگ منہ موڑتے ہیں تو (اے محمد ﷺ) آپ پر صرف کھول کر تبلیغ کر دینا ہی ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے اللہ کے حکم سے تبلیغ کا کام مکمل کیا۔ زور زبردستی نہ کیا نہ اس کا حکم دیا، بلکہ حکمت، دانائی اور موعظہ حسنہ سے دین کی بات لوگوں تک پہنچائی اور ہمیشہ اچھے اخلاق سے مزین ہونے کی تلقین کی۔ یہی سب سے کامیاب اور آسان راستہ ہے۔ جو لوگ اسلام پر زور زبردستی کا الزام لگاتے ہیں ان کو اسلامی تعلیم کا علم نہیں ہے۔ یہ انسانی فطرت ہے اس میں ہر انسان آزاد ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی کو اپنا سیدھا راستہ دکھاتا ہے جو اللہ پر ایمان رکھے اور اس سے ملنے کی امید کے ساتھ راہ حق کو تلاش کرے۔ ■

عصر حاضر میں فارغین مدارس کو درپیش چیلنجز

یاسر اسعد
شاہ سعود یونیورسٹی ریاض

ایک مسلمان کے لیے اس کا دین ومذہب ہی سب کچھ ہوتا ہے۔ دین کی معلومات حاصل کرنا اور اس کا علم رکھنا اس کے لیے فرض اور لازم ہے۔ یہ تعلیم جن مراکز میں ہوتی ہے انہیں مدارس کہا جاتا ہے، اور یہ مدارس دین کے قلعے کہے جاتے ہیں۔ فی الوقت مدارس اسلامیہ جس نظام کے تحت تعلیم دیتے ہیں وہ نظام تعلیم ''درس نظامی'' کے نام سے جانا جاتا ہے، موجودہ نصاب میں اس درس نظامی سے ہٹ کر چند تبدیلیاں ہوچکی ہیں۔ مدارس میں عموماً پرائمری کے بعد سے دینی تعلیم کا آغاز ہوتا ہے اور ۷، ۸ یا ۱۰/ برس کے طویل وقفے پر یہ عرصہ محیط ہوتا ہے، اس کے بعد مدرسہ کا طالب علم فارغ التحصیل قرار پاتا ہے اور برصغیر کے ماحول کے اعتبار سے وہ اس معیار کو پہنچا ہوا مانا جاتا ہے کہ وہ جملہ درس وتدریس کے فرائض انجام دے سکے۔

فراغت کے وقت عموماً طالب علم کی عمر ۲۰، ۲۵ برس ہوتی ہے۔ دس برس مدرسہ میں گزارنے والا یہ طالب علم دراصل دنیا دیکھے ہوئے نہیں ہوتا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ مدارس کا تال میل چونکہ خارجی دنیا سے کم رہتا ہے اس لیے یہاں سے نکلنے کے بعد یہ وسیع وعریض دنیا واقعی اسے مبہوت کردیتی ہے۔ بے ایمانی، ناانصافی، بے حیائی، باہمی عداوت، ظلم وزیادتی اور حسد ونفرت کے عناصر سے بہت حد تک پاک ان مدارس کے فارغین جب دنیا سے روبرو ہوتے ہیں تو ان کو متعدد چیلنجوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کچھ چیلنجز پرانے ہوتے ہیں اور کچھ دور جدید کی پیداوار۔ چونکہ فارغین کا تعلق اسلامی مراکز سے ہوتا ہے اس لیے دین حق کا پیرو ہونے کے ناطے ان کے خلاف ریشہ دوانیوں کا دائرہ بھی کافی وسیع ہوتا ہے۔ انہیں درپیش معاملوں اور چیلنجوں میں سے چند کا تذکرہ مختصراً کیا جارہا ہے:

(۱) میڈیا کا چیلنج:-

وقت کا سب سے بڑا ہتھیار میڈیا ہے جس میں باطل افکار کی نمائندگی اہل حق کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے۔ عالم کفر کے بالمقابل اسلام کے نام پر جو نمائندگی ہے وہ بھی غلط عقائد ونظریات سے آلودہ ہے، گویا صحیح منہج کے ماننے والے اس میدان میں سب سے پیچھے ہیں۔ اس لیے اسلام کے نام پر عموماً جو اعتراضات وارد کیے جاتے ہیں ان کا جواب نہیں مل پاتا اور یوں یہ میڈیا ایک طرف غیر مسلموں کو اسلام سے متنفر کرتا ہے تو دوسری طرف خود اہل اسلام کے قلوب واذہان میں شبہات پیدا کرنے کا سبب بن رہا ہے۔ حقیقت بڑی تلخ ہے کہ میڈیا کے متنوع گوشوں میں مدارس کے فارغین کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے۔ نیوز چینلوں پر براجمان مخصوص ذہنیت کے پروردہ اینکر جو

صورت اور بیک گراؤنڈ کے لحاظ سے کافی دل فریب ہوتے ہیں، اسی کا فائدہ اٹھا کر وہ بڑے لطیف اور عقل وخرد کو اپیل کرنے والے انداز میں ایک مسلمان کے ذہن میں مذہب کے تئیں شکوک کے جراثیم ڈالتے ہیں جس کا خمار اس قدر سرور آمیز ہے کہ آدمی چاہ کر بھی اس سے چھٹکارا حاصل نہیں کر پاتا۔ شبہات کی دراندازی مذہب کے لیے سم قاتل ہے، مگر اس کو اس قدر خوبصورت پیکج میں اتنی دل ربائی کے ساتھ پیش کیا جارہا ہے کہ قبول کیے بغیر بات بنتی نظر نہیں آتی۔

فی الواقع یہ صورت حال مدارس کے فارغین کے لیے ایک زبردست چیلنج ہے، کیونکہ اسلامی مدارس سے نکلنے والے یہ حضرات دین کے تعلق سے سب کی امیدوں کا محور ہوتے ہیں، اب اگر اس تعلق سے ان پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں انہیں وہ کما حقہ ادا نہ کر پائیں تو یہ بہت خسارے کی بات ہوگی۔ طلبہ یا فضلائے مدارس کے پاس علم کی کمی نہیں ہوتی، البتہ اسے احسن طریقے سے پیش کرنا اور صبر وضبط سے کام لے کر مسکت جواب دینا وقت کی بہت بڑی ضرورت ہے۔ افسوس ناک بات یہ ہے کہ اس چیلنج سے نبرد آزما ہونے کے لیے ہمارے تعلیمی نظام میں کوئی خاص انتظام نہیں ہے، جس کے سبب صورت حال مزید سنگین ہوتی چلی جارہی ہے۔ اس سے زیادہ افسوس کی بات ہے کہ میدان خالی پاکر اس میں وہ لوگ زور آزمائی کررہے ہیں جنہیں دین کا علم نہیں، لیکن وہ دین کے نام پر ایسے افکار کو بڑھاوا دے رہے ہیں جو قطعی طور پر اسلامی تعلیمات کے خلاف ہیں۔

''یونیورسٹیوں کے طلبہ کے پاس اچھی دینی معلومات تو ہوسکتی ہے لیکن نظریاتی حدود کا خیال اور معاشرتی تبدیلیوں کی دینی لحاظ سے درست سمت کا تعین وہی لوگ کرسکتے ہیں جو دین کا علم اور شعور رکھنے کے ساتھ معاشرتی زندگی کی نزاکتوں پر بصیرت کی نظر رکھتے ہوں۔ مدارس کے باشعور فارغین سے معاشرہ اسی طرح کی امیدیں لگائے ہوئے ہے جو اصل دینی مصادر سے مستفید اور احادیث کے علوم سے واقف ہوتے ہیں، جس کی روشنی میں وہ ذہنوں کو درست سمت میں رہنمائی کرسکتے ہیں۔ میڈیا کو گفتگو میں پیشہ وارانہ مہارت رکھنے والوں کی ضرورت ہے۔ یہ واقعی المیہ ہے کہ اس وقت جو دینی پروگرام پیش کیے جارہے ہیں ان کو پیش کرنے میں ٹھوس دینی علم رکھنے والوں کی کمی جھلکتی ہے اور اس کے برعکس نیم خواندہ لوگوں کی جماعت کام کررہی ہے۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ مستند دینی حلقے اچھے اینکر اور ٹی وی پر اچھی گفتگو کرنے والے معاملہ فہم افراد فراہم کرنے میں ناکام رہے ہیں جس کے سبب سے یہ میدان لائق افراد سے خالی رہ گیا ہے اور ناموزوں افراد دینی پروگراموں کو اپنی لیاقت کے مطابق پیش کررہے ہیں۔'' (رفیق منزل، خصوصی شمارہ ''مدارس اسلامیہ: مسائل اور امکانات'' مئی ۲۰۱۴ء، ص: ۱۰۸۔۱۰۹)

آپ کے سامنے گزشتہ صدی سے ایک مثال پیش خدمت ہے۔ شیخ الاسلام علامہ ثناء اللہ امرتسری کی حیات کا مطالعہ کیجیے اور دیکھیے کہ کس طرح آپ نے اسلام اور پیغمبر اسلام کے دفاع کے لیے اس دور کی میڈیا کا استعمال کیا اور کفر وبدعت کا منہ توڑ جواب دیا۔ ۱۹۰۳ء سے ۱۹۴۷ء

تک یعنی ۴۴ رسال کی طویل مدت تک آپ کا ہفت روزہ مجلہ ''اہل حدیث'' مسلسل اور بلاناغہ شائع ہوتا رہا جس کے مجموعی صفحات کی تعداد ۳۵ ر ہزار ہے۔ اس کے علاوہ آپ کی تصنیفات کی ایک بڑی تعداد ہے جو اسلام کے تعارف یا دفاع پر مشتمل ہے۔ وہ دور مناظروں کا دور تھا، مولانا نے ہزاروں مناظرے کیے اور بے شمار لوگوں کو راہ حق کی طرف رہنمائی کی۔ مناظروں کا دور ختم نہیں ہوا ہے، بس صرف اس کی نوعیت بدل گئی ہے، بقول جناب سہیل انجم ''میدان مناظرہ بدل گیا ہے اور مناظروں کا انداز تبدیل ہو گیا ہے، اب عوامی جلسے مناظروں کا مرکز نہیں بنتے بلکہ اب نیوز چینلوں کے اسٹوڈیوز میں مناظرے ہو رہے ہیں۔''

(۲) دفاع عن الدین کا فریضہ اور فارغین مدارس:-

آج کے دور میں ہم دیکھتے ہیں کہ مدارس ومکاتب کی کثرت ہے، ہر سال ہزاروں طلبہ ان سے فارغ ہوتے ہیں، مگر یہ فارغ ہو کر زندگی اور دنیا کی بھیڑ میں کہیں گم سے ہو جاتے ہیں۔ دفاع اسلام اور دفاع منہج سلف کے نام پر اگر آپ نظر دوڑائیں تو شاید باید ہی کوئی نظر آئے جو اپنے علم وعمل میں پختہ ہو اور دین حنیف پر شبہات کا مسکت ازالہ کر سکے، ورنہ دین پر اعتراضات کیے جا رہے ہیں، سنت کو تشکیک کا نشانہ بنایا جا رہا ہے، بڑے منطقی انداز میں اسلامی تعلیمات کی دھجیاں بکھیری جا رہی ہیں، مگر افسوس کہ ان سب کا تسلی بخش جواب دینے والا کوئی ڈھونڈھے نہیں ملتا۔

ماضی میں علمائے کرام کی پختگی علم کا حال یہ تھا کہ اسلام کے خلاف کسی زبان سے کوئی اعتراض صادر ہوتا تو برجستہ اس کی خبر لیتے، ان کی تحاریر اس فن میں مرجع کا مقام رکھتی ہیں۔ مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رحمہ اللہ نے کہا تھا کہ ''اگر رات کو دنیا میں کوئی نیا فرقہ پیدا ہو جائے تو ثناء اللہ صبح اٹھ کر اس کا جواب دے سکتا ہے۔''

غازی محمود دھرم پال نے جب حالت ارتداد میں اسلام کے خلاف ایک کتاب ''ترک اسلام'' لکھی اور آریہ سماج کی جانب سے اسے شائع کیا گیا تو مسلمانوں کی طرف سے اتنے جوابات آئے کہ کتاب شائع کرنے والے پشیمان ہوئے، خود غازی محمود دھرم پال نے لکھا ہے کہ:

''نہیں معلوم اسلام میں کون سا جادو ہے اور مسلم قوم میں کون سی اسپرٹ کام کر رہی ہے کہ جس کو دیکھ کر میں بعض اوقات حیران وششدر رہ گیا ہوں..... مجھے پہلا موقع تو اس وقت ملا تھا جب کہ میں نے اپنا سب سے پہلا لیکچر ''ترک اسلام'' شائع کیا تھا۔ ''ترک اسلام'' شائع کرنے کو تو میں شائع کر چکا مگر چند ہی روز میں مجھے معلوم ہو گیا کہ میں نے بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈالا ہے۔ چنانچہ چھ ہی ماہ میں دو درجن کے قریب مسلمانوں نے اس کے جوابات شائع کیے اور اس کے بعد کئی سالوں تک اس کے جوابات شائع ہوتے رہے۔ کم از کم تیس رسالے یا کتابیں تو میری نظر سے گذر چکی ہیں جو کہ مسلمانوں نے ''ترک اسلام'' کے جواب میں لکھی تھیں اور جن کے مصنف خود ہی اپنی تصنیف کی ایک ایک کاپی میرے پاس بھیجتے رہے۔ اہل حدیث، شیعہ، سنی، نیچری، احمدی، چکڑالوی غرضیکہ ہر ایک فرقہ کی طرف سے ''ترک اسلام'' کے جوابات شائع ہوئے ..... آریہ سماج کے کارکنوں نے اس بات کو محسوس کرنا شروع کیا کہ ''ترک اسلام'' کے شائع کروانے میں غلطی ہوئی

ہے۔'' [تُرک اسلام، مولانا ثناءاللہ امرتسری، ص:۵-۷]

اور حقیقت بھی ہے کہ علماء نے اپنے دور میں ہر طرح کے فتنوں کا فوری تعاقب کیا اور دلائل کی رو سے اسے شکست دے کر اسلام کا علم بلند کیے رہے۔ مگر آج اسی اسلام کے نام لیوا، وہی مدارس کے فارغین ان چیلنجوں کا کما حقہ سامنا نہیں کر پا رہے ہیں۔ کمی کہاں ہے اسے سمجھنے اور پھر دور کرنے کی ضرورت ہے۔

دفاع عن الدین سے متعلق دور حاضر میں عوام کی دین بیزاری بھی علماء کے لیے ایک چیلنج سے کم نہیں ہے، آج مسلم معاشرہ مغربی تہذیب کے دوش پر سفر کرنے میں فخر محسوس کرتا ہے اور دین و مذہب سے اس کا تعلق بہت کمزور رہ گیا ہے، تہذیب نو کے اس سیلاب پر بندھ باندھے کی ذمہ داری بھی فضلائے مدارس کی ہے، لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ پہلے وہ خود اپنے علم و عمل کو قابل نمونہ بنائیں اور پھر دعوت و تبلیغ کے ذریعہ سماج میں سدھار پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ انہیں یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی پڑے گی کہ اس امت کی پیدائش کا مقصد ہی لوگوں کو راہ حق کی طرف بلانا اور برائی سے روکنا ہے، اور اس امت کی ''خیریت'' اسی سے مربوط ہے، بصورت دیگر اس کا مقصد وجود ہی فوت ہوجائے گا۔

(۳) اقتصاد کا مسئلہ:-

قرآن مجید میں اللہ رب العزت نے واضح کر دیا ہے کہ روئے زمین پر بسنے والے ہر نفس کا رزق اللہ نے مقدر کر دیا ہے، جس کو جتنا لکھا ہے اتنا مل کر رہے گا۔ لیکن جب سے علم کو معاش سے جوڑا گیا ہے تب سے علم کے حصول کا مقصد رضائے الٰہی کے بجائے حصول معاش ہوگیا ہے۔ پہلے یہ مرض صرف عصری علوم کے طلبہ کے ساتھ تھا، مگر مرور ایام کے ساتھ یہ مدارس کے طلبہ میں بھی در آیا ہے، چنانچہ جب ایک طالب علم فراغت کی دہلیز پر قدم رکھتا ہے تو اپنے علم کی تبلیغ و اشاعت سے زیادہ معاش کی فکر رہتی ہے اور اس سوچ میں غلطاں رہتا ہے کہ کس راستے پر چل کر وہ زیادہ سے زیادہ دولت حاصل کر سکے گا۔

فکر معاش کا یہ چیلنج بہت ساری صلاحیتوں کے ضیاع کا سبب بنتا ہے، عموماً دیکھا جاتا ہے کہ بعض طلبہ جو علمی لحاظ سے برتر اور باصلاحیت ہوتے ہیں اور جن سے آگے چل کر کسی عظیم الشان امر کی امید رہتی ہے وہ معاش کی وجہ سے اپنی تعلیمی لائن چھوڑ کر کاروبار کی دنیا میں مصروف ہوجاتے ہیں، جس کے سبب ان کا علم اور ان کی استعداد ضائع ہوجاتی ہے۔ اسی فکر کے زیر اثر بہت سارے طلبہ مدارس سے نکلنے کے بعد یونیورسٹیوں کا رخ کرتے ہیں، اور ان کی اکثریت وہاں جا کر دنیا کی بھول بھلیوں میں گم ہوکر اپنی سات سے دس سالہ تربیت اور اپنا تشخص برقرار نہیں رکھ پاتی۔

اس فکر سے چھٹکارا پانے کے لیے ضروری ہے کہ اللہ پر توکل کا راستہ اختیار کیا جائے، اور دین اور سماج کے بڑے مسائل کو نگاہ میں رکھتے ہوئے دنیا کے پیچھے نہ دوڑا جائے، بلکہ درس و تدریس اور قلم و تحریر کے ذریعہ امت کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیا جائے۔ رزق جتنا مقدر میں لکھا ہے اتنا مل کر رہے گا۔

(۴) دعوت و تبلیغ کی زبان:-

زبان و بیان کا مسئلہ ادھر چند سالوں سے کافی اہمیت

اختیار کر گیا ہے۔ مدارس کے نصاب میں علاقائی زبانوں کے لیے وسعت بڑی محدود رہتی ہے، اس لیے جب مدرسے سے فارغ ہوکر دعوت وتبلیغ یا پھر زبان سے متعلق کسی میدان میں فارغ قدم رکھتا ہے تو اسے شدید دشواری ہوتی ہے۔ اس صورت حال کا مناسب حل یہ ہے کہ طالب علم اپنے دور تعلیم میں ہی خارجی اوقات میں اس پر زیادہ توجہ دے، ضرورت پڑنے پر کوچنگ سینٹرز کا رخ کرے اور خالصتاً لوجہ اللہ دیگر زبانوں کو سیکھنے کی کوشش کرے۔ موجودہ دور کے فارغین کے اندر اس کمی کو دیکھتے ہوئے متعدد اداروں نے ان کے لیے باقاعدہ کئی ایک کورسوں کا انتظام کیا ہے جہاں فراغت کے بعد جانا مفید ہوگا۔

(۵) مسلکی کشمکش کا چیلنج اور فارغین مدارس کی ذمہ داری:-

امت کے موجودہ حالات تقاضا کررہے ہیں کہ مسلمان مسلکی عصبیت سے بالاتر ہوکر اہل کفر کے سامنے متحد ہوجائیں، ورنہ فتنوں کا سیلاب انہیں لے ڈوبے گا۔ لیکن دوسری طرف صورت حال یہ ہے کہ مسلمان آپسی جھگڑوں سے باہر نکلنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ وہ کسی فقہی مسئلے کو انا کا مسئلہ بنا کر مخالف کا پوری طرح بائیکاٹ کرنے پر آمادہ ہیں۔ ہر گروہ اپنے کو برحق اور دوسرے کو گمراہ قرار دے کر اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنا رہا ہے۔ اس میں قابل غور بات یہ ہے کہ اختلاف کے اکثر واقعات علمائے دین کے اس طبقے سے سامنے آتے ہیں جن کا فراغت سے زمانہ قریب ہوتا ہے۔ ایک دوسرے کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دینا، معمولی باتوں پر تکفیر کردینا، الزامات لگانا، مسجدوں پر قبضہ جمانا یہ سارے واقعات آئے دن نظروں سے گزرتے رہتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ مسائل میں اختلاف ہوتا ہے، لیکن اس اختلاف کو برتنے کے بھی شریعت میں آداب وضوابط ہیں۔ اس بارے میں مذہبی نمائندوں کو وسعت ظرفی کا ثبوت دینا ہوگا اور کفار کی چالوں کو سمجھنا ہوگا۔ عمل کے میدان میں قدم رکھنے والے فارغین کو چاہیے کہ وہ مختلف مکاتب فکر کی نمائندگی کرنے والے ایک مشترکہ پلیٹ فارم کے قیام کے لیے کوشش کریں جس کے اہم مقاصد میں بین مسلکی ہم آہنگی کو برقرار رکھنا ہو۔

فضلائے مدارس کو درپیش جدید دور کے چیلنجز سے متعلق چند باتیں مختصراً بیان کی گئیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر فارغین ان تمام مسائل سے نبرد آزما ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں تو یقینا وہ موجودہ صورت حال میں انقلاب پیدا کرسکتے ہیں۔

قد هيؤوک لأمر لو فطنت له
فاربأ بنفسک أن ترعى مع الهمل

لوگوں نے تم کو ایک عظیم کام کے لیے تیار کیا ہے اگر تم اس کو سمجھو، لہٰذا تم اپنے آپ کو اس سے بلند کرو کہ آوارہ اونٹوں کے ساتھ چرو۔ (یعنی تم اپنے آپ کو اصحاب شہوات اور اشرار کی صحبت سے دور رکھو)

●●●

خواتین، جدید معاشرہ اور اسلام

زینب رحمانی بنت محمد ایوب سلفی
معلمہ کلیہ سمیہ الاسلامیہ للبنات، چمپارن

بلاشبہ خواتین مردوں ہی کی طرح سماج اور معاشرہ کا ایک حصہ ہیں، معاشرے کے بناؤ، بگاڑ، اصلاح وفساد، تعمیر وتخریب میں جس طرح مردوں کا رول ہے اسی طرح عورتیں بھی ان امور میں اپنا کردار ادا کرتی ہیں۔ عورت اگر اپنی اصلاح کر لے تو وہ معاشرہ کی اصلاح بھی کر سکتی ہے اور اگر اس کے اندر فساد اور بگاڑ پیدا ہو جائے تو وہ معاشرہ کو بھی بگاڑ سکتی ہے۔ ذیل میں زیر نظر عنوان کے کچھ اہم گوشوں پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

عورت مختلف تہذیبوں میں:

دنیا کے مختلف ادیان اور تہذیبوں کا جائزہ لینے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اسلام سے قبل عورت ایک گری پڑی چیز تصور کی جاتی تھی، لوگ اسے حقارت کی نظر سے دیکھتے اور نجس وناپاک سمجھتے تھے۔ یونانی تہذیب میں عورتوں کا یہی حال تھا۔ رومن تہذیب میں عورت کی کوئی ملکیت نہیں تھی، خاندان کا سربراہ اموال وجائیداد پر مکمل حق وتسلط رکھتا تھا۔ عورت شوہر کی ملکیت سمجھی جاتی تھی۔ روم کے قدیم قانون ساز عورتوں کے اندر کسی طرح کی اہلیت کے صاف منکر تھے۔ ہندوستانی تہذیب میں عورت کو بد سے بدتر مخلوق تصور کیا جاتا تھا۔ آریہ لوگ پانسوں کے جوئے میں اس قدر دیوانہ ہوتے تھے کہ اپنی بیوی بچوں تک کو بھی ہار جاتے تھے۔ شوہر کی وفات کے بعد عورت کو زندہ رہنے کا حق نہیں دیا جاتا تھا بلکہ بیوی اپنے شوہر کی چتا کے ساتھ خود بھی جل جاتی تھی، ہندوستان میں بارش یا رزق وغیرہ طلب کرنے کے لیے دیوتاؤں کی رضامندی حاصل کرنے کی خاطر عورت کو بھینٹ بھی چڑھا دیا جاتا تھا۔ برہمن قانون میں عورتوں کو لونڈی کی حیثیت حاصل تھی، مرد کے ساتھ وہ احترام سے بات کرتی تھی، لیکن مرد کے ساتھ اس کا دسترخوان پر کھانا کھانا معیوب مانا جاتا تھا، وہ مرد کا نام بھی نہیں لے سکتی تھی۔ بدھ مذہب میں بھی عورت کی کوئی حیثیت نہیں تھی بلکہ اس کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا جاتا تھا۔ مذہبی رہنما یہ سمجھتے تھے کہ اگر عورت ہمارے درمیان داخل ہو جائے تو مذہب زیادہ دیر تک خالص نہیں رہ سکتا۔ جین مذہب کے ایک فرقے کا ماننا ہے کہ عورت جب تک عورت ہے نجات نہیں پا سکتی البتہ اس کی روح بطور تناسخ کسی اور جسم میں داخل ہو جائے تو اسے نجات مل سکتی ہے۔ ایران میں عورت مقید لونڈی کا درجہ رکھتی تھی، معاشرہ میں اس کا کوئی مقام نہیں تھا۔ عام ساز وسامان کی طرح اس کی خرید وفروخت ہوتی تھی۔ ایام حیض میں اسے گھروں سے نکال دیا جاتا تھا اور اس کے ساتھ بہت برا سلوک کیا جاتا تھا۔ چین کے اندر ایک عورت اپنے والدین کے ترکہ سے

مکمل محروم رکھی جاتی تھی، اسے صرف مردوں کے تابع وفرماں بردار بن کر رہنا پڑتا تھا۔ قدیم مصری تہذیب میں بھائی بہن کے درمیان نکاح کا رواج تھا، بعض حالات میں باپ اور بیٹی کے درمیان بھی یہ رشتہ قائم ہوجاتا تھا، اسے مالی حقوق سے بھی محروم رکھا جاتا تھا۔ یہودی مذہب میں بھی عورتوں کی کوئی قدر نہیں تھی بلکہ وہ یہودی عورتوں کے علاوہ دیگر مذہب کی عورتوں کی ہتک عزت کو گناہ تصور نہیں کرتے تھے، ان کے یہاں بھی بیوی اپنے شوہر کے مال کا وارث نہیں بن سکتی۔ عورت کا سارا مال اس کے شوہر کی ملکیت مانا جاتا، یہودیوں کی نظر میں وہ شخص خوش قسمت ہے جس کی اولاد میں صرف لڑکے ہوں اور وہ شخص بدقسمت ہے جس کے یہاں صرف لڑکیاں ہوں۔ نصرانی یہ خیال رکھتے تھے کہ عورت نجات کی مستحق نہیں ہے وہ صرف حضرت مریم کو نجات کی مستحق سمجھتے تھے، ان کے یہاں شادی بیاہ ایک پلید رسم ہے جس سے بچنا ضروری ہے۔ ایک غیر شادی شدہ شخص اللہ کے نزدیک زیادہ مکرم ہے۔ یہ لوگ عورتوں کو شیطان کے دروازہ سے تشبیہ دیتے تھے۔

اسلام سے قبل عرب تہذیب میں بھی عورت ایک مظلوم قوم تھی، اسے حق میراث حاصل نہیں تھا اور نہ وہ شوہر سے کسی طرح کا مطالبہ کرسکتی تھی، عرب لوگ لڑکیوں کی ولادت کو باعث ننگ وعار سمجھتے تھے اور بعض قبیلوں کے لوگ اسے زندہ دفن بھی کردیتے تھے۔ لڑکیوں کی پیدائش پر عربوں کے تاثر کا تذکرہ قرآن کریم نے بڑے بلیغ انداز میں کیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنثَى ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدّاً وَهُوَ كَظِيمٌ يَتَوَارَى مِنَ الْقَوْمِ مِن سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ أَيُمْسِكُهُ عَلَى هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ أَلاَ سَاء مَا يَحْكُمُونَ (النحل:۵۸۔۵۹)

اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی پیدا ہونے کی خبر دی جاتی تھی تو رنج سے اس کا منھ کالا پڑ جاتا تھا اور گھٹ کر رہ جاتا، بیٹی پیدا ہونے کی بری خبر کی وجہ سے لوگوں سے چھپتا پھرتا اور سوچتا تھا کہ کیا اس کو ذلت کے ساتھ رہنے دے یا مٹی میں دبادے، سنو یہ کیا برا فیصلہ کرتے ہیں۔

مغربی تہذیب میں عورت کی حالت اور اس کا مقام ومرتبہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے، مغرب کی نظر میں عورت ایک ننگی ذات ہے، فحاشی کے لیے استعمال کی جاتی ہے، تجارتی اعلانات وتشہیر کے لیے اسے ننگا کرکے پیش کیا جاتا ہے، مغربی معاشرہ میں عورت ملازمت کرکے اپنی معیشت کا بندوبست کرتی ہے، اپنے شوہر کا ظلم سہتی ہے تھوڑے پیسے کے لیے غیر مردوں کو اپنا جسم پیش کرتی ہے۔

عورت اسلام میں:

مختلف مذاہب اور تہذیبوں میں عورتوں کے مقام ومرتبہ کے مختصر ذکر کے بعد ہم عورتوں کے تئیں اسلام کا نظریہ بھی مختصراً پیش کرنا چاہتے ہیں تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ عورت پر اسلام نے کتنا احسان کیا ہے اور اسلام کی نظر میں اس کا مقام ومرتبہ کتنا بلند ہے، دشمنان اسلام نے تو یہ پروپیگنڈا کررکھا ہے کہ اسلام نے عورتوں پر ظلم کیا ہے، انہیں ان کے مناسب حقوق سے محروم کررکھا ہے، انہیں جو عزت ملنی چاہئے اسلام نے انہیں اس عزت سے کوسوں دور رکھا ہے، اسلام سے ناواقف لوگ اسلام کے بارے میں یہ

نظریہ رکھتے ہیں اور بعض مخالفین اسلام نے اپنی تحریروں اور گمراہ کن بیانات سے اس نظریے کو تقویت پہنچانے کی کوشش کی ہے، جبکہ قرآن وحدیث کی تعلیمات پر غور کرنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام نے سماج ومعاشرہ اور زندگی کے تمام معاملات میں عورت کو مناسب مقام پر رکھا ہے، انہیں ان کے صنف کے اعتبار سے ان کے ساتھ عدل وانصاف کا معاملہ کیا ہے اور ہر قسم کے ظلم وناانصافی سے انہیں تحفظ فراہم کیا ہے، زندگی کے بنیادی حقوق سے انہیں نوازا ہے اور کسی بھی حالت میں ان پر ظلم نہ ہونے پائے اس کا خاص خیال رکھا ہے۔ ذیل کی قرآنی آیات سے اسلام میں عورت کے صحیح مقام ومرتبہ کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ قرآن کریم نے اس حقیقت کا صاف اعلان کر دیا ہے کہ عورت ومرد دونوں کا جنس ایک ہے اور دونوں کے مجموعہ سے لفظ انسان مکمل ہوتا ہے اور فطری طور پر دونوں ایک دوسرے سے مانوس ہیں اور دونوں کو ایک دوسرے کی ضرورت ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجاً لِّتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ (الروم:۲۱)

اور اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے جنس سے تمہارے لیے بیویاں پیدا کی ہیں تاکہ تم ان کے ساتھ انس حاصل کرو اور اس نے تم میں پیار اور رحم پیدا کیا ہے، بے شک اس کے اندر فکر کرنے والی قوم کے لیے بہت ساری نشانیاں ہیں۔

ذیل کی آیت بھی اسی مفہوم کو واضح کر رہی ہے۔ ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُواْ رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيراً وَنِسَاء وَاتَّقُواْ اللّهَ الَّذِي تَسَاءلُونَ بِهِ وَالأَرْحَامَ إِنَّ اللّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيباً (النساء:۱)

اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی بیوی کو پیدا کر کے ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں، اس اللہ سے ڈرو جس کے نام پر ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور رشتے ناطے توڑنے سے بھی بچو۔ بے شک اللہ تم پر نگہبان ہے۔

اس معنی کی بہت ساری آیات قرآن کریم کے اندر موجود ہیں۔ قرآن مقدس کے اندر اللہ تعالیٰ نے یہ بھی واضح فرمایا ہے کہ نیک اعمال کے ثواب میں مرد وعورت بالکل برابر ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

مَنْ عَمِلَ صَالِحاً مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ مَا كَانُواْ يَعْمَلُونَ (النحل:۹۷)

جو کوئی ایمان کی حالت میں نیک عمل کرے مرد ہو یا عورت تو ہم ان کو پاکیزہ زندگی عطا کریں گے اور ہم ان کو ان کے کاموں سے بھی اچھا بدلہ دیں گے۔

احادیث نبویہ کے اندر لڑکیوں کی پرورش اور نگہداشت کو باعث اجر وثواب قرار دیا گیا ہے۔ یہاں ہم صرف ایک حدیث رسول ﷺ کے ذکر پر اکتفا کر رہے ہیں۔ ذیل کی حدیث رسول کو دیکھیں اور اس کے معنی ومفہوم پر غور فرمائیں۔

عن عائشة رضي الله عنها قالت دخلت علي امرأة ومعها ابنتان لها تسأل، فلم تجد عندي غير تمرة واحدة فأعطيتها، فقسمتها بين ابنتيها ولم تأكل منها، ثم قامت فخرجت، فدخل النبي ﷺ، فأخبرته، فقال: من ابتلي من هذه البنات بشيء فأحسن إليهن كن له سترا من النار (متفق علیہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ بیان کرتی ہیں ایک عورت میرے پاس آئی، اس کے ساتھ اس کی دو بیٹیاں تھیں، وہ بھیک مانگ رہی تھی، میرے پاس سے اسے صرف ایک کھجور ہی مل سکی، اسے میں نے اس کو دے دیا تو اس نے اس کو اپنی دونوں بیٹیوں کے درمیان تقسیم کر دیا اور خود اس میں سے کچھ نہ کھایا، پھر کھڑی ہوئی اور چلی گئی، اس کے بعد نبی کریم ﷺ تشریف لائے، میں نے آپ کو یہ بات بتائی، تو آپ نے فرمایا: جس آدمی کو یہ بیٹیاں دی جائیں اور وہ ان کے ساتھ حسن سلوک کرے تو یہ بیٹیاں اس کے لیے جہنم سے آڑ بن جائیں گی۔

اس مفہوم کی اور بھی بہت ساری روایات مختلف کتب حدیث کے اندر موجود ہیں۔

اسلام نے عورت کو سماج و معاشرہ میں بہت اونچا مقام عطا فرمایا ہے اسے انسانی نابرابری کا شکار ہونے نہیں دیا ہے۔ زندگی کے کسی بھی شعبہ میں اس کی بے عزتی برداشت نہیں کی ہے۔ بیٹی کی حیثیت سے اس کا مقام و مرتبہ مذکورہ حدیث سے واضح ہے۔ ایک بیٹی اپنے باپ کے نزدیک کتنی پیاری ہوتی ہے اس کا اندازہ ایک باپ ہی لگا سکتا ہے۔ اسلام میں بھائی بہن کا رشتہ کتنا مقدس ہوتا ہے کہ ایک بھائی اپنی بہن کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دینے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ بہنوں کے تئیں بھی اسلامی ہدایات موجود ہیں۔

ماں کی حیثیت سے عورت کا مقام و مرتبہ اسلام کی نظر میں کیا ہے قرآن کریم نے والدین کے لیے انسانوں کو جو ہدایات دی ہیں ان ہدایات سے اس کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ والدین کے تئیں اولاد کو ہدایت دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ کچھ یوں ارشاد فرماتا ہے:

وَقَضَى رَبُّكَ أَلاَّ تَعْبُدُواْ إِلاَّ إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَاناً إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلاَهُمَا فَلاَ تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ وَلاَ تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلاً كَرِيماً (بنواسرائیل: ۲۳)

اور تیرا پروردگار صاف صاف حکم دے چکا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرنا اگر تیری موجودگی میں ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کے آگے اف تک نہ کہنا نہ انہیں ڈانٹ ڈپٹ کرنا بلکہ ان کے ساتھ ادب و احترام سے بات چیت کرنا۔

اسلام نے حسن سلوک کے معاملہ میں باپ پر ماں کو مقدم رکھا ہے۔ **عن أبي هريرة رضي الله عنه، قال: جاء رجل إلى رسول الله ﷺ فقال يا رسول الله ﷺ: من أحق الناس بحسن صحابتي؟ قال: أمك، قال: ثم من؟ قال: أمك، قال: ثم من؟ قال: أمك، قال: ثم من؟ قال: أبوك** (متفق علیہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول میرے

حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہاری ماں، اس نے کہا پھر کون؟ آپ نے فرمایا: تمہاری ماں، اس نے پوچھا پھر کون؟ آپ نے فرمایا: تمہاری ماں، اس نے پوچھا پھر کون؟ آپ نے فرمایا: تمہارا باپ۔

اسلام نے عورت کو ہر قسم کے معاشرتی حقوق سے نوازا ہے، وہ تجارت کرسکتی ہے، وہ دست کاری اور دیگر جائز اعمال کے ذریعہ دولت بھی کما سکتی ہے، دولت پر اس کا پورا حق حاصل ہوگا، وہ اپنی ملکیت کے اندر اپنی مرضی سے جائز تصرف کرسکتی ہے، مرد کو طلاق کا حق ہے تو عورت بھی اپنے شوہر سے بوقت ضرورت شرعی حدود میں رہ کر خلع لے سکتی ہے۔ مردوں کی طرح عورتوں کو بھی حق میراث حاصل ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ (النساء:۷)

والدین اور اقرباء جو مال چھوڑیں ان میں مردوں کا حصہ ہے اسی طرح والدین اور اقرباء کے ترکہ میں عورتوں کا بھی حصہ ہے چاہے مال کم ہو یا زیادہ۔

ایک عورت کو بیوی کی حیثیت سے اس کے شوہر کے نزدیک اسے مکمل تحفظ حاصل ہوتا ہے، وہ اپنے شوہر کی شریک زندگی ہوتی ہے، شوہر اس کی ساری ضرورتیں پوری کرتا ہے اور اس پر اپنا مال خرچ کرتا ہے اور اس کے دکھ سکھ کا ساتھی ہوتا ہے، زندگی کے سارے امور ومسائل میں وہ اپنے شوہر کی معاونت کرتی ہے۔ اسلام نے شوہر کو اپنی بیوی کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی سخت تاکید کی ہے۔ قرآنی ہدایات بایں الفاظ وارد ہیں:

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ (النساء:۱۹)

اور ان عورتوں کے ساتھ مل جل کر اچھی طرح رہو۔

اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: **استوصوا بالنساء خیرا فإن المرأة خلقت من ضلع وإن أعوج ما في الضلع أعلاه فإن ذهبت تقيمه كسرته، وإن تركته لم يزل أعوج، فاستوصوا بالنساء۔** (متفق علیہ)

آپس میں عورتوں کے ساتھ بھلائی کی وصیت کیا کرو اس لیے کہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے اور پسلی میں سب سے ٹیڑھا حصہ اوپر کا حصہ ہوتا ہے اگر تم اس کو سیدھی کرنے چلوگے تو توڑ ہی ڈالوگے اور چھوڑے رکھوگے تو ہمیشہ ٹیڑھی ہی رہے گی اس لیے عورتوں کے ساتھ بھلائی کی وصیت قبول کرو۔

عورت اور تعلیم:

بلاشبہ آج کا جدید معاشرہ ایک بگڑا ہوا معاشرہ ہے، معاشرے میں دین کی دھجیاں اڑائی جارہی ہیں۔ مرد عورت سب دین بیزاری کی طرف مائل ہیں۔ ہر سو فتنہ وفساد کی سرداری ہے۔ ایسے حالات میں معاشرے کو تعلیم یافتہ خواتین کی ضرورت ہے۔ عورت تعلیم وتربیت کے زیور سے آراستہ ہوکر اپنے سماج ومعاشرہ کی اصلاح وتعمیر میں اپنا اہم رول ادا کرسکتی ہے اس لیے اسلام نے عورتوں کی تعلیم پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کے زمانے میں مردوں کی طرح عورتیں بھی حدیثیں سننے، انہیں حفظ کرنے اور دوسروں تک پہنچانے کا خاص اہتمام کرتی تھیں۔ امہات المومنین اور دور نبوی کی دیگر صحابیات کا کردار اس سلسلے میں بالکل واضح ہے۔ اسلام نے عورتوں کی

تعلیم کا کس قدر خیال رکھا ہے اس کا اندازہ ذیل کے حدیثی واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے ایک صحابی کو جن کے پاس مہر کی رقم موجود نہیں تھی یہ حکم دیا کہ وہ اپنی ہونے والی بیوی کو زیور تعلیم سے آراستہ کردیں، یہی ان کا حق مہر ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا ''**انطلق فقد زوجتکها فعلمها من القرآن**'' (صحیح مسلم) جاؤ تمہارا نکاح اس عورت سے کردیا بطور مہر تم اسے قرآن مجید کا وہ حصہ سکھا دینا جو تمہیں یاد ہے۔

عرب معاشرہ میں لونڈی کی کوئی اہمیت نہیں تھی، لوگ ان کے ساتھ جانوروں سے بھی بدتر سلوک کرتے تھے، لیکن ہمارے نبی ﷺ نے مسلم معاشرے کو ان کو تعلیم وتربیت کے زیور سے آراستہ کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ''**أیما رجل کانت عنده ولیدة، فعلّمها فأحسن تعلیمها، وأدبها فأحسن تأدیبها، ثم أعتقها وتزوجها فله أجران**'' (صحیح بخاری) ایک شخص کے پاس لونڈی ہے، اس نے اسے اچھی تعلیم وتربیت سے سنوارا پھر آزاد کرکے اس سے شادی کرلی تو اس کے لیے دو اجر ہے۔

اب تک جن باتوں کا ذکر ہوا ان سے قارئین نے یہ اندازہ لگا لیا ہوگا کہ اسلام نے عورتوں پر کتنا احسان کیا ہے اور اسلام کے نزدیک عورت کا مقام ومرتبہ کیا ہے اور اسلام نے اس صنف نازک کے ساتھ کتنا عدل وانصاف کا معاملہ کیا ہے۔ دراصل اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے عورتوں کا خاص خیال رکھا ہے، انہیں ان کی فطرت کے اعتبار سے ان کے واجبی حقوق سے نوازا ہے اور انہیں سماج ومعاشرے کا لازمی عنصر قرار دیا ہے، لیکن اس کے باوجود مخالفین ودشمنان اسلام عورتوں کے حقوق کو لے کر اسلام کو بدنام کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ اسلام نے عورتوں پر ظلم کیا ہے، بہرحال یہاں یہی کہا جاسکتا ہے:

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم　　چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

جدید معاشرہ اور خواتین:

جدید معاشرتی مسائل بہت الجھے ہوئے اور بہت زیادہ پیچیدہ ہیں۔ مردوں کی طرح عورتوں کے سامنے بھی بہت سے چیلینجیز ہیں، مسائل کی سنگینی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک لڑکی کی شادی جس کو اسلام نے نہایت ہی آسان اور سہل بنایا ہے آج بہت مشکل اور کمرتوڑ مسئلہ ہے، معاشرے کی ہزاروں لڑکیاں شادی کی عمر کو پہنچ جانے بلکہ عمر دراز ہوجانے کے باوجود اپنے گھروں میں اپنے والدین کے سر پر اس لیے بیٹھی ہوئی ہیں کہ ان کے والدین کے پاس اپنی بچی کی شادی کے اخراجات برداشت کرنے کے لیے پیسے نہیں ہیں، جہیز جیسی لعنت معاشرے پر اس طرح مسلط ہے کہ ہزاروں لڑکیاں ہر سال اس لعنت کی بھینٹ چڑھ رہی ہیں، خودکشی کرنے پر مجبور ہیں اور بہت ساری لڑکیوں کی عزتیں پامال ہورہی ہیں۔ ان سنگین حالات میں ایک تعلیم یافتہ لڑکی سماج ومعاشرہ کے اندر قدم رکھ کر اس غلط رسم ورواج کے خلاف آواز بلند کرسکتی ہے۔ معاشرہ کو اس لعنت سے پاک کرنے کے لیے کوشش کرسکتی ہے، معاشرتی بیداری لاکر اپنی بہنوں کو راحت پہنچا سکتی ہے۔ شادی کے بعد خاندانی رہن سہن کا بھی مسئلہ آتا ہے۔ ایک اچھی تعلیم

یافتہ لڑکی اپنے گھر خاندان کو بہتر بنا سکتی ہے، افراد خانہ کو دین واخلاق کے سانچے میں ڈھال سکتی ہے اس کے حسن عمل کی وجہ سے گھر کا ماحول بہتر بن سکتا ہے۔

شادی کے بعد عائلی زندگی میں ایک مسئلہ طلاق کا بھی آتا ہے جو آج مسلم سماج کے اندر فساد اور عائلی انتشار کا سبب بنا ہوا ہے۔ معاشرے میں اس کی کثرت اور غلط و بے جا استعمال کی وجہ سے خواتین بہت ساری پریشانیوں کا سامنا کر رہی ہیں اور دشمنان اسلام کو بھی اسلام کے خلاف بات بنانے کا موقع مل رہا ہے۔ طلاق اور رشتے کے بگاڑ کی ذمہ داری مردوں کے ساتھ عورتوں پر بھی عائد ہوتی ہے بلکہ اکثر یہ دیکھا جاتا ہے کہ عورت کی بدخلقی، اس کی غلط روش، نامناب طرز زندگی اور شوہر کے رشتے داروں کے ساتھ اس کے ناروا سلوک اور اپنی عائلی ذمہ داریوں کی کما حقہ ادائیگی سے انحراف جیسے امور طلاق کے سبب بنتے ہیں۔ ایک پڑھی لکھی عورت اور اسلامی تعلیمات سے آراستہ خاتون اپنے صحیح اسلامی تعامل اور اپنی دیگر بہنوں کی صحیح رہنمائی کے ذریعہ معاشرے سے شرح طلاق کو کم کر سکتی ہے اور عائلی نظام کو بہتر بنانے میں مددگار ثابت ہو سکتی ہے۔

چھوٹے بچے معاشرہ کے مستقبل ہوتے ہیں اگر بچپن میں ان کی صحیح تربیت کی جائے تو وہ بڑے ہو کر قوم کا معمار بن سکتے ہیں۔ معاشرے کی اصلاح وتربیت میں اہم رول ادا کر سکتے ہیں۔ یہ واضح حقیقت ہے کہ اولاد کی تربیت کے اندر مردوں سے زیادہ عورتوں کا کردار اہم ہوتا ہے۔ ماں کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ نے عورت کے دل میں اولاد کی محبت مردوں سے زیادہ پیدا کیا ہے۔ ایک عورت اگر چاہے تو اپنی اولاد کی صحیح تربیت کر کے بڑا کارنامہ انجام دے سکتی ہے۔ تربیت اولاد سے متعلق تاریخ کے صفحات میں عورتوں کے حیرت انگیز کارناموں کا ذکر ملتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے کارنامے معروف ہیں۔ وہ ایک مشہور محدث امیر المومنین فی الحدیث اور ایک عظیم الشان عالم دین کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔ ان کے بارے میں یہ ذکر ملتا ہے کہ بچپن میں ان کی آنکھ کی روشنی ختم ہو گئی تھی، ان کی والدہ محترمہ رحمہا اللہ مسلسل تہجد کی نماز میں اللہ سے دعائیں کرتی تھیں۔ اللہ کے سامنے روتی اور گڑگڑاتی رہتی تھیں۔ اللہ نے ایک دن ان کی دعا سن لی اور بیٹے کی بینائی واپس آ گئی اور ماں کی دعاؤں کی بدولت اللہ تعالیٰ نے امام بخاری رحمہ اللہ کو دنیا میں بلند مقام عطا فرمایا اور ان سے ایسی خدمت لی کہ ان کی کتاب کو ''اصح الکتب بعد کتاب اللہ'' کا درجہ ملا۔

علامہ اقبال رحمہ اللہ نے اپنی والدہ محترمہ کی وفات کے موقع پر جو مرثیہ لکھا تھا اس میں انہوں نے اپنے کمال اور کامیابیوں کا سبب اپنی والدہ محترمہ کی تربیت اور ان کی بہتر پرورش کو قرار دیا ہے۔ اس سے تربیت کے باب میں ماں کے عظیم کردار کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ان کے مرثیہ کا ایک شعر یہ ہے:

تربیت سے تیری میں انجم کا ہم قسمت ہوا
گھر میرے اجداد کا سرمایہ عزت ہوا

ایک عربی شاعر کا یہ شعر بھی تربیت کے سلسلہ میں ماں کے اہم کردار کو واضح کر رہا ہے۔

الأم مدرسة إذا أعددتها
أعددت شعبا طيب الأعراق

ماں کی حیثیت مدرسہ کی ہے اگر اسے بنالو تو ایک اچھی قوم تیار ہوجائے گی۔

ایک نیک، صالحہ اور پاکباز خاتون اپنے بچے کی جسمانی تربیت کرسکتی ہے، بچے کے لیے بچپن میں سب سے بہتر غذا ماں کا دودھ ہوتا ہے۔ ایک ماں اپنے بچے کو اپنا دودھ پلا کر بچے کی اچھی صحت کا خیال رکھ سکتی ہے۔ ماہرین کا یہ بھی ماننا ہے کہ بچہ پر اس کی ماں کے دودھ کا اثر بھی مرتب ہوتا ہے۔ ایک ماں اپنے دودھ کے ذریعہ اپنی اچھی فطرت اپنے بہتر اخلاق وکردار اور اپنی صالحیت اپنے بچے کے اندر منتقل کرسکتی ہے۔

بچے کی ایمانی تربیت میں بھی ماں کا کردار بڑا اہم ہے۔ بچے جب بڑے ہونے لگیں تو ماں انہیں ایمانی اصولوں کی تلقین کرسکتی ہے، ان کے دل میں ایمان ویقین کو راسخ کرسکتی ہے، انہیں ارکان اسلام نماز، روزہ، حج وزکوۃ کی تعلیم دے سکتی ہے۔ کلمہ لا الہ الا اللہ کا صحیح مفہوم سمجھا سکتی ہے، توحید کا کیا معنی ہے، اس کے تقاضے کیا ہیں، رسالت کس کو کہتے ہیں، رسول کا کیا مقام ومرتبہ ہے، ان ساری چیزوں سے وہ اپنے بچے کو واقف کرا سکتی ہے۔

ایک تعلیم یافتہ اور نیک خاتون اپنے بچے کے اخلاق وکردار سنوارنے میں بھی اہم رول ادا کرسکتی ہے۔ اگر وہ اپنی تربیتی ذمہ داریوں کو صحیح ڈھنگ سے نبھائے تو بچے کو سچ بولنے کی ترغیب اور جھوٹ سے بچنے کی تاکید کرسکتی ہے۔ چوری جیسی قبیح عادت سے بچا کر امانت ودیانت جیسے اخلاق حسنہ سے اسے سنوار سکتی ہے۔ آج کی عورتیں اگر اپنی یہ ذمہ داریاں صحیح ڈھنگ سے نبھائیں تو صالح معاشرہ کی تشکیل میں بہت زیادہ مدد ملے گی۔

معاشرتی مسائل میں سے ایک نہایت ہی اہم مسئلہ دعوتی مسئلہ ہے، دعوت الی اللہ ایک دینی فریضہ ہے اور اس وقت جدید معاشرہ کی بڑی ضرورت ہے۔ مسلم سماج کے تمام افراد کی یہ مشترکہ ذمہ داری ہے کہ بلاتفریق جنس سماج کے ہر فرد کو اپنی استطاعت کے مطابق اسے انجام دینا ہے۔ قرآن کریم کے اندر امر بالمعروف والنہی عن المنکر کی ذمہ داری میں اللہ تعالیٰ نے مرد وعورت دونوں کو شریک قرار دیا ہے اور ان کی بجا آوری پر ان کے لیے ثواب کا وعدہ فرمایا ہے۔ ارشاد ہے:

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاء بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلاَةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللّهَ وَرَسُولَهُ أُوْلَئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّهُ إِنَّ اللّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (التوبۃ:۷۱)

مومن مرد وعورتیں ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ معروف (اچھے کام) کا حکم کرتے ہیں اور منکر (برے کام) سے روکتے ہیں، نماز ادا کرتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتے ہیں انہیں پر اللہ رحم کرے گا۔ بے شک اللہ بڑا غالب اور بڑی حکمت والا ہے۔

ایک مسلمان تعلیم یافتہ خاتون امت مسلمہ کے ایک فرد ہونے کی حیثیت سے اپنے دائرۂ کار میں رہ کر دعوت وتبلیغ، وعظ وارشاد، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور اصلاح امت کا فریضہ باحسن طریق انجام دے سکتی ہے۔ معاشرہ کو فساد، بگاڑ، بے حیائی وبے غیرتی سے بچا سکتی ہے۔ اپنے گھر

میں رہ کر اپنے بچوں، اہل خاندان اور اپنے شوہر کو دین کا پابند بنا سکتی ہے، ان کے اندر آخرت کی فکر پیدا کر کے انہیں اعمال صالحہ کرنے پر ابھار سکتی ہے۔

قرآنی آیت: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَاراً (التحریم: ٦) کے خطاب میں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی شامل ہیں۔ حدیث رسول ﷺ ''ألا كلكم راع وكلكم مسؤول عن رعيته'' (متفق علیہ) تم سب نگہبان ہو اور تم سب سے اپنی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔ ''والمرأة راعية في بيت زوجها'' عورت بھی اپنے شوہر کے گھر میں نگہبان ہے اور اس سے اس کے بارے میں سوال ہوگا۔

عورت اگر چاہے تو اپنے گھر سے باہر بھی پردہ میں رہ کر اپنے رشتے داروں، رشتہ دار خواتین اور محلہ کی دیگر خواتین کے اندر دعوت واصلاح کا فریضہ انجام دے کر دینی بیداری لاسکتی ہے۔ اس کی مثالیں امہات المومنین، دور نبوی اور دور صحابہ کی خواتین کے اندر بکثرت ملتی ہیں۔ یہاں اختصار کے پیش نظر وہ مثالیں پیش نہیں کی جا سکتی ہیں، سیر وتاریخ کی کتابیں اس قسم کی مثالوں سے بھری پڑی ہیں۔

اللہ ہمیں دینی شعور عطا فرمائے اور مرد وعورت سب کو معاشرے کے تئیں اپنی ذمہ داریاں بحسن وخوبی انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

■■

- صحیح اسلام اور منزل من اللہ دین حق کی معرفت کے لیے
- اسلامی اخلاق وآداب، عقیدہ واعمال سے واقفیت کے لیے
- کتاب وسنت پر مبنی واضح وروشن تعلیمات سے آگاہی کے لیے
- صحیح احادیث نبویہ سے مستفاد علوم ومعرفت سے اپنے دل ودماغ کو منور کرنے کے لیے
- توحید ورسالت کے مقام اور ان کے تقاضوں کو سمجھنے اور جاننے کے لیے
- اسلامی تہذیب واقدار اور اسلام کی روشن وشاندار ماضی اور صحابہ کرام کی ''حیات طیبہ'' اور ان کے صحیح مقام ومرتبہ کی وضاحت پر مبنی بے لاگ تحریروں کے مطالعہ کے لیے
- مسلم معاشرہ میں واقع ہونے والے نت نئے مسائل سے متعلق استفتاءات کے کتاب وسنت واقوال سلف پر مبنی جوابات کے لیے
- اپنے دل ودماغ اور روح کو علمی غذا سے تقویت دینے کے لیے

اپنے محبوب مجلہ ''محدث'' کا خریدار بن کر اس کا گہرائی سے مطالعہ کریں۔ اللہ ہمارا حامی وناصر ہو۔

(ادارہ)

اخبار جامعہ

مولانا دل محمد سلفی

جامعہ میں یونیورسٹیوں کے پروفیسران کی آمد:

۲۴/ جولائی ۲۰۲۲ء بروز اتوار ڈاکٹر محمد اختر سلفی (ایسوسی ایٹ پروفیسر وسنت کالج، وارانسی) کے ہمراہ عالی جناب محمد علی جوہر صاحب (صدر شعبۂ اردو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی) اور عالی جناب ڈاکٹر ندیم اختر صاحب (پروفیسر شعبۂ اردو، جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی) اور عالی جناب ڈاکٹر عبد السمیع صاحب سلفی (ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبۂ اردو بنارس ہندو یونیورسٹی) جامعہ سلفیہ تشریف لائے اور جامعہ کے شعبۂ جات کا معائنہ کیا۔ اس کے بعد دفتر نظامت میں محترم ناظم اعلیٰ فضیلۃ الشیخ عبداللہ سعود صاحب سلفی حفظہ اللہ کے ساتھ ایک میٹنگ کا انعقاد عمل میں آیا، جس میں جدید نظام تعلیم اور جدید طرز تعلیم نیز بدلتی ہوئی ملکی وعالمی تعلیمی پالیسی پر گفتگو اور تبادلۂ خیال ہوا۔ اس میٹنگ میں ڈاکٹر عبد الصبور ابوبکر مدنی (نائب شیخ الجامعہ) اور ڈاکٹر عبد الحلیم بسم اللہ مدنی (صدر مجلس تعلیمی) نیز راقم الحروف بھی شریک تھے۔

جامعہ کی عالیشان مسجد میں نماز ظہر ادا کرنے کے بعد گرامی قدر مہمانان بی ایچ یو تشریف لے گئے۔ معزز مہمانوں نے جامعہ سے متعلق جو تبصرہ کیا اور جو تاثرات قلمبند کیے ہیں ان کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

ایک مدت سے جامعہ سلفیہ بنارس کو دیکھنے کی خواہش تھی سو آج دیکھ لیا، جی خوش ہوگیا۔ یہاں کے ناظم اعلیٰ مولانا عبداللہ سعود سلفی، اساتذۂ کرام اور طلبہ عزیز سے ملاقات ہوئی اور بڑی خوشی ہوئی کہ وہ دین ودنیا یعنی دینی وعصری علوم سے پوری طرح واقف ہیں اور اس مرکزی ادارہ کی رفعت وبلندی کو بنائے رکھنے کی حتی المقدور کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ یہاں کی لائبریری، پرشکوہ مسجد اور عالیشان عمارتوں کو دیکھا، سبھی کو بے حد عمدہ پایا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ ادارہ مزید بلندیوں کو چھوئے۔ آمین

جامعہ میں مرکزی جمعیت اہل حدیث کے امیر محترم کی تشریف آوری:

۷/ اگست ۲۰۲۲ء بروز اتوار مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے امیر محترم مولانا اصغر علی امام مہدی صاحب سلفی حفظہ اللہ وتولاہ جامعہ سلفیہ بنارس تشریف لائے۔ اساتذۂ جامعہ سے ملاقات کی اور عالمیت وکلیات (کلیۃ الحدیث، الشریعہ، الدعوۃ) کی کلاسوں کا باضابطہ معائنہ کیا۔ ہر کلاس میں طلبہ سے علمی سوالات کیے۔ طلبہ کے برجستہ جواب دینے پر بے حد خوش ہوئے اور کہا: ''جامعہ سلفیہ بنارس، جامعہ سلفیہ بنارس ہی ہے، یہاں کی تعلیم وتربیت ہمیشہ ممتاز ومعیاری رہی ہے''۔

نماز ظہر کے بعد جامعہ کی مسجد کے برآمدہ میں طلبہ کی

خواہش پر امیر محترم حفظہ اللہ نے ان سے ملاقات کی اور طلبہ کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ دینی علوم کے حصول میں روحانیت بھی ہے اور مادیت بھی، لیکن دیگر علوم میں صرف مادیت ہے، روحانیت مفقود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء کرام کو جو روحانی سکون حاصل ہے وہ دیگر لوگوں کو حاصل نہیں ہے۔ انھوں نے طلبہ سے کہا کہ اہل حدیث کے نزدیک عالم حقیقت میں وہی ہے جو عالم ہونے کے ساتھ ساتھ عامل بھی ہو لہٰذا آپ طلبۂ عزیز کو چاہیے کہ صلاحیت کے ساتھ ساتھ صالحیت اور علم کے ساتھ ساتھ عمل میں بھی اپنے آپ کو مضبوط و مستحکم بنائیں۔

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے محترم امیر صاحب حفظہ اللہ نے جامعہ کے نظام تعلیم، تعلیمی و تربیتی نشاطات و سرگرمیوں اور پیش رفت کو بڑا ہی جامع اور مستحکم قرار دیا اور کہا کہ یہی وجہ ہے کہ یہاں کے فارغین ہر جگہ ممتاز و نمایاں رہتے ہیں۔

واضح رہے کہ امیر محترم حفظہ اللہ شہر بنارس یا مضافات جب بھی تشریف لاتے ہیں جامعہ ضرور آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جامعہ آنے کے بعد مجھے کافی زیادہ فرحت و مسرت اور تسلی و حوصلہ افزائی ملتی ہے۔

جامعہ سلفیہ بنارس میں پہلا ماہانہ ٹیسٹ:

جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس اپنے قیام کے پہلے ہی دن سے طلبہ کو ٹھوس اور معیاری تعلیم و تربیت دینے کے لئے ہمیشہ کوشاں رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ حالات و ظروف کے تقاضہ کے مطابق تعلیم و تربیت اور امتحانات وغیرہ کے نظام و سسٹم میں مناسب تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔

جامعہ کے تعلیمی معیار کو مزید مستحکم و معیاری اور بلند کرنے کے لئے لجنۃ الاختبار (امتحانی کمیٹی) نے محترم ناظم اعلیٰ فضیلۃ الشیخ عبداللہ سعود سلفی حفظہ اللہ کی ہدایت پر ابتدائی درجات (متوسط اولیٰ تا ثانویہ اولیٰ) کے طلبہ کا ماہانہ ٹیسٹ لینے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ رواں تعلیمی سال (2022-2023م) کا پہلا ماہانہ ٹیسٹ بڑی کامیابی کے ساتھ 26 جولائی تا 2 اگست ہوا جس کے بہت اچھے نتائج و اثرات مرتب ہوئے۔ فالحمدللہ علی ذالک۔

دوسرا ماہانہ ٹیسٹ 30 اگست تا 6 دسمبر ہوگا۔ ان شاء اللہ

جامعہ سلفیہ بنارس میں 75واں جشن یوم آزادی:

ہندوستان کی مشہور و مقبول مرکزی درس گاہ جامعہ سلفیہ بنارس میں اس سال 15 اگست 2022م بروز سوموار پچہتر واں جشن یوم آزادی امرت مہوتسو کے تحت گزشتہ سالوں کے بنسبت زیادہ جوش و خروش اور تزک و احتشام کے ساتھ منایا گیا۔

صبح 9 بجے محترم ناظم اعلیٰ فضیلۃ الشیخ عبداللہ سعود صاحب سلفی حفظہ اللہ کے ہاتھوں پرچم کشائی کی رسم ادا کی گئی۔ پھر سہیل اختر منظور عالم اور ان کے ساتھیوں نے قومی ترانہ بہترین آواز و انداز میں پڑھا، اس کے بعد جامعہ کے عالی شان لکچر ہال میں ہندوستان کی آزادی میں مسلمانوں کا کردار کے عنوان پر ایک بہت ہی جامع اور شاندار پروگرام زیر صدارت محترم ناظم اعلیٰ فضیلۃ الشیخ عبداللہ سعود صاحب سلفی حفظہ اللہ منعقد ہوا، جس کا آغاز معاذ عبدالماجد (کلیۃ الشریعۃ/اول) کی تلاوت قرآن سے ہوا، پھر عبدالعزیز

انصار زبیر (کلیۃ الحدیث/ثالث) نے نعت نبی پیش کی، اس کے بعد ترانہ ہندی محمد گلاب محمد عیش اور اس کے ساتھیوں نے پیش کیا، پھر سلمان ہاشم (کلیۃ الحدیث/اول) نے اردو تقریر بعنوان: آزادی ہند میں علمائے اہل حدیث کا کردار اور سفیان احمد ریاض احمد (کلیۃ الحدیث/ثالث) نے آزادی ہند میں ہندوستانی تحریکوں کی حصہ داری کے عنوان پر ایک مقالہ پیش کیا۔ اس کے بعد عباس محمد ارضاء الحق اور اس کے ساتھیوں نے ایک بہترین نظم ''ہندوستان ہمارا ہے'' پیش کیا۔

بعد ازاں محترم ناظم اعلیٰ صاحب حفظہ اللہ نے صدارتی خطاب پیش فرمایا۔ جس کی تلخیص درج ذیل ہے:

آج کا دن ہمارے لئے مسرت وشادمانی کا دن ہے۔ میں اپنی طرف سے اور جملہ اراکین واساتذہ اور طلبہ کی طرف سے تمام باشندگان ہند کو پچہتر واں جشن یوم آزادی کی مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ آزادی کے پچہتر سال پورے ہونے پر ہمارے پیارے پردھان منتری عالی جناب نریندر مودی جی نے امرت مہوتسو منانے کا حکم دیا۔ اس پر اس سال تمام ہندوؤں اور مسلمانوں نے مل جل کر حب الوطنی کا ثبوت دیتے ہوئے پرجوش انداز میں جشن یوم آزادی منایا آزادی سے پہلے ہندوستان کو یہ پوزیشن حاصل تھی کہ اس کو سونے کا چڑیا کہا جاتا تھا۔ لیکن برطانیہ کے لوگوں (انگریزوں) نے بڑی چالاکی و چالبازی سے ہندوستان پر اپنا قبضہ جمالیا اور آہستہ آہستہ پورے ملک پر اپنی حکومت قائم کر لی۔ ہندوستان کو بڑی آسانی سے آزادی نہیں ملی ہے بلکہ اس کے لئے سالہا سال جدوجہد اور محنت و مشقت کرنی پڑی ہے۔ ہمارے بزرگوں اور نوجوانوں نے جانی مالی عظیم قربانیاں دی ہیں تب جا کر ہمارا دیش آزاد ہوا ہے۔ ہمیں اپنے اسلاف کی قربانیوں کو یاد کرنا چاہیے اور ان کی قدر کرنی چاہئے۔ آیئے آج ہم دل سے اس بات کا عزم کریں کہ ہم اپنے ملک عزیز ہندوستان کو آگے بڑھانے اور مزید ترقی پر لے جانے کی ہر ممکن کوشش کریں گے، ملک میں اخوت و بھائی چارہ، اور وحدت ومحبت کو بڑھاوا دیں گے۔ ہماری یہ کوشش ہونی چاہئے کہ ہمارا کوئی بچہ جاہل نہ رہ جائے۔ تبھی جا کر ہم دنیا میں ارتقائی منازل طے کر سکتے ہیں۔ جامعہ سلفیہ بنارس کا قیام، قوم و ملت کے نونہالوں کو معیاری تعلیم وتربیت سے آراستہ کرنے کے لئے عمل میں آیا ہے۔ الحمد للہ جامعہ اپنے مقصد میں کامیاب ہے۔ آزادی کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ صرف آزادی کا نعرہ بلند کیا جائے اور جھنڈا لہرانے پر اکتفاء کیا جائے بلکہ آزادی کا مطلب ہے کہ ہم قانون کے دائرے میں رہ کر آزادی کے ساتھ بولیں، آزادی کے ساتھ کاروبار کریں، آزادی کے ساتھ پڑھیں پڑھائیں، آزادی کے ساتھ زندگی گزاریں اور آگے بڑھیں۔ صدارتی خطاب کے بعد ناظم پروگرام عزیزم ذکاء اللہ عبیداللہ سلمہ (کلیۃ الشریعۃ/ثالث) نے تمام شرکاء کا بطور خاص محترم ناظم اعلی صاحب اور اساتذۂ کرام حفظہم اللہ کا صمیم قلب سے شکریہ ادا کرتے ہوئے پروگرام کے اختتام کا اعلان کیا۔ پھر جامعہ کی طرف سے تمام حاضرین کے درمیان مٹھائیوں کی تقسیم عمل میں آئی۔

■■

باب الفتاویٰ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

ہمارے معاشرے میں بہت سارے حجاج کرام جب سفر حج سے گھر واپس آتے ہیں تو اپنے عزیز واقارب اور رشتہ داروں کی دعوت کرتے ہیں، آپ سے سوال یہ ہے کہ کیا ایسے موقع پر لوگوں کو دعوت دے کر کھلانا شرعاً درست ہے؟

سائل: عبدالکریم، بنارس

الجواب بعون الله الوهاب وهو الموفق للصواب.

صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ محدثین کرام نے کل آٹھ قسم کی دعوتیں بتلائی ہیں، ان میں سے ایک ''**النقيعة**'' ہے، یعنی سفر سے واپس آنے کی دعوت۔ ''**النقيعة**'' کا معنی حافظ ابن اثیر رحمہ اللہ نے یہ لکھا ہے: ''**وهي طعام يتخذه القادم من السفر**'' (نہایہ: ۵/ ۱۰۹) اور یہی معنی علامہ شوکانی رحمہ اللہ نے اپنی مشہور کتاب نیل الاوطار (۷/ ۳۷۸) میں بھی لکھا ہے، یعنی سفر سے واپسی کے بعد جو کھانا بنا کر لوگوں کو کھلایا جائے اس کو نقیعہ کہتے ہیں۔

امام المحدثین امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح کے اندر ایک باب ''**باب الطعام عند القدم**'': کے تحت ایک اثر ذکر کیا ہے کہ ''**وكان ابن عمر رضي الله عنهما يفطر لمن يغشاه**'' (فتح الباری: ۶/ ۱۹۴) یعنی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب سفر سے واپس آتے تو ان سے ملنے والے حضرات کو افطار کراتے اور کھانا بنا کر کھلاتے پلاتے تھے۔

اسی باب کے تحت اس حدیث کو بھی نقل کیا ہے کہ ''**لما قدم النبي ﷺ المدينة نحر جزورا أو بقرة**'' (البخاری مع الفتح: ۶/ ۱۹۴) یعنی آپ ﷺ جب سفر سے مدینہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے ایک اونٹ یا گائے ذبح کر کے لوگوں کو کھلایا۔

اسی طرح امام ابوداود رحمہ اللہ نے بھی اپنی سنن میں یہ باب باندھا ہے: ''**باب الطعام عند القدوم من السفر**'' اس باب کے تحت حضرت جابر رحمہ اللہ سے یہ حدیث مروی ہے: ''**لما قدم النبي ﷺ المدينة نحر جزورا أو بقرة**'' (ابوداود مع العون: ۵/ ۱۵۲) (دیکھئے: صحیح سنن ابی داود: ۳۷۴۷) یعنی جب رسول اکرم ﷺ سفر سے مدینہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے ایک اونٹ یا ایک گائے ذبح کر کے لوگوں کو کھلایا۔

اس حدیث کے ضمن میں صاحب عون علامہ شمس الحق عظیم آبادی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''**والحديث يدل على مشروعية الدعوة عند القدوم من السفر ويقال لهذه الدعوة النقيعة من النقع وهو الغبار**'' (عون المعبود: ۵/ ۱۵۲) یعنی یہ حدیث سفر سے واپس آنے کے وقت دعوت کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں فریضہ حج کی ادائیگی کے بعد گھر واپس آ کر سفر والی حدیث کے عموم پر نظر رکھتے ہوئے

دعوت کا جواز بالکل واضح ہے۔

اور الموسوعة الفقهية (۲۰/ ۳۳۴) میں القليوبي على شرح المنهاج (۲/ ۱۵۱) کے حوالے سے یہ عبارت مذکور ہے: ''**النقيعة: وهي ما يصنع من الطعام للغائب إذا قدم من السفر طويلا أو قصيرا ومن كتب الشافعية استحبابها للعائد من الحج**''

یعنی کتب شافعیہ میں حج سے لوٹنے کے بعد دعوت کے استحباب کا ثبوت ملتا ہے۔

ان تمام دلیلوں سے صرف استحباب کی صورت پیدا ہوتی ہے، لیکن بطور رسم اسے ضروری قرار دے لینا، اسی طرح فخر ومباہات، ریاء ونمود اور ناموری کی نیت سے دعوت کرنا، اسی طرح دعوت کو حج کا جزء سمجھ کر دعوت کرنا شرعاً ناجائز اور حرام ہے۔ اس لیے لوگوں کو چاہیے کہ وہ دعوت میں اعتدال سے کام لیں اور اس کو حج کا جزء نہ سمجھیں۔

اسی طرح کا فتویٰ ماضی قریب کے بہت بڑے علامہ فقیہ شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے بھی دیا ہے۔ دیکھئے: لقاءات الباب المفتوح (۵۴/السوال: رقم: ۱۲)

اسی طرح کے سوال کا جواب دیتے ہوئے شیخ محمد صالح المنجد رحمہ اللہ اسلام سوال وجواب ویٹ سائٹ فتویٰ نمبر (۹۷۸۷۹) میں فرماتے ہیں کہ: حجاج کرام کے لیے سفر حج سے واپس آنے پر تقریب منعقد کرنا اور کھانا کھلانا یہ بھی جائز ہے۔

علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

نقیعہ بنانا مستحب ہے۔ (نقیعہ) اس کھانے کو کہا جاتا ہے جو مسافر کے آنے پر تیار کیا جائے اور اس کا اطلاق مسافر یا کسی اور کی طرف سے بنائے گئے کھانے سب پر ہوتا ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: آپ ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس وقت آپ ﷺ نے اونٹ یا گائے ذبح کیا تھا۔ (المجموع: ۴/ ۴۰۰)

تمام تفصیلات کا ماحصل یہ ہے کہ ریا کاری، شہرت طلبی اور اسراف سے بچتے ہوئے سفر حج سے واپسی پر دعوت کر کے لوگوں کو کھلایا جا سکتا ہے۔

هذا ما عندي والله أعلم بالصواب۔

(ابوعفان نور الہدیٰ عین الحق سلفی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: طاقتور مومن زیادہ بہتر اور اللہ کو زیادہ محبوب ہے کمزور مومن سے، اور ہر ایک (قوی وضعیف) میں خیر ہے۔ اس چیز کی حرص کرو جو تمہارے لیے نفع بخش ہو، اللہ سے مدد طلب کرو اور ہمت نہ ہارو۔ اگر تمہیں نقصان پہنچ جائے تو یہ مت کہو: اگر میں ایسا کر لیتا تو ایسا ہو جاتا البتہ یہ کہو: اللہ کی تقدیر یہی ہے اور جو اس نے چاہا کیا کیونکہ ''اگر'' کا لفظ شیطانی عمل کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ (مسلم)

PRINTED BOOK

AUGUST 2022

ISSN 2394-0212

Vol.XXXIX No.03

R.No. 40352/81

MOHADDIS

THE ISLAMIC CULTURAL & LITERARY MONTHLY MAGAZINE

Website: www.mohaddis.org

جامعه سلفیه بنارس کی جدید مطبوعات

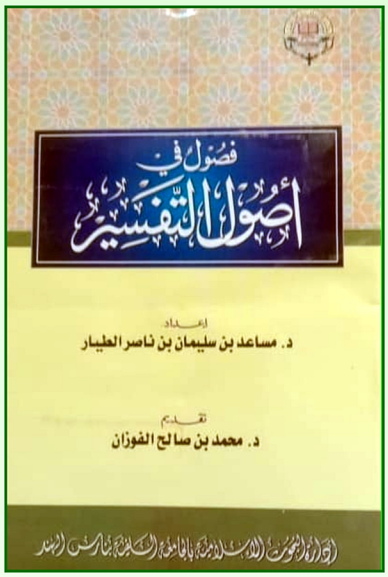

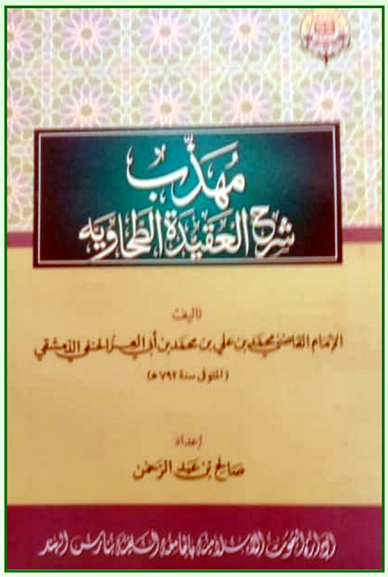

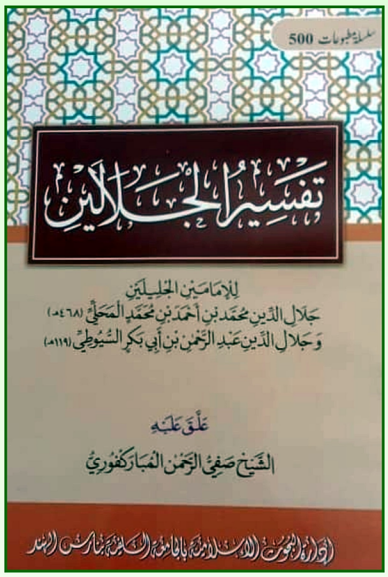

Published by: Obaidullah Nasir, on behalf of Darut-Taleef Wat-Tarjama

B.18/1-G, Reori Talab, Varanasi, Edited by: Mohammad Ayoob Salafi

Printed at Salafia Press, Varanasi.